معارف

ستمبر ۲۰۱۹ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰/روپے۔ فی شمارہ ۲۵/روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴/روپے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰/روپے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰/روپے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰/روپے میں دستیاب۔

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

HAFIZ SAJJAD ELAHI

196 - AHMAD BLOCK, NEW GARDEN TOWN

LAHORE (PUNJAB) PAKISTAN

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org

Website: www.shibliacademy.org

Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh

Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100

✆ (Office Mobile) 09170060782

ڈاکٹر فخرالاسلام اعظمی (جوائنٹ سکریٹری/منیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۲۰۴ ماہ محرم الحرام ۱۴۴۱ھ مطابق ماہ ستمبر ۲۰۱۹ء عدد ۳

فہرست مضامین

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

شذرات

۵/اگست کو ایک صدارتی حکم کے ذریعہ ریاست جموں و کشمیر کو خصوصی درجہ کی ضمانت فراہم کرنے والی دفعہ ۳۷۰ کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ اس دفعہ کے تحت جموں اور کشمیر کو جو خصوصی اختیارات حاصل تھے وہ اب باقی نہیں رہے۔ حکومت کو اپنے اس نہایت اہم منصوبہ کی تکمیل کی اتنی عجلت تھی کہ نہ تو امرناتھ یاترا کے اختتام کا انتظار کیا گیا اور نہ عیدالاضحیٰ کا جس کی آمد میں بس چند دن ہی باقی تھے۔ یاتریوں اور بڑی تعداد میں کشمیر کی سیر کو آنے والوں کو واپس بھیج دیا گیا۔ اس اعلامیہ کو جاری کرنے سے پہلے پوری وادی میں سیکورٹی کے جو انتظامات کیے گئے اس کی مثال اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آئی۔ سیکورٹی فورسز کی اضافی نفری تعینات کی گئی۔ ٹیلیفون اور انٹرنیٹ سروسیز کو مکمل طور پر بند کر دیا گیا اور بیرونی دنیا سے کشمیر کا رابطہ یکسر منقطع کر دیا گیا۔ تمام قابل ذکر سیاسی رہنماؤں اور صحافیوں کو قید کر دیا گیا۔ ان میں بڑی تعداد ان رہنماؤں کی ہے جو ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو تسلیم کرتے ہیں اور مین اسٹریم پارٹیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کشمیری طلبہ اور دوسرے کشمیری شہری جو ملک کے دوسرے علاقوں میں مقیم ہیں ان کے لیے بھی اپنے اہل خانہ سے رابطہ اور ان کی خیر و عافیت معلوم کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ اس غیر معمولی پس منظر میں دفعہ ۳۷۰ کی معطلی اور ریاست کی تنظیم نو کے احکام جاری کیے گئے۔ ملک میں اس نہایت غیر معمولی اہمیت کے حامل فیصلے کے فوائد اور نقصانات پر کوئی مباحثہ نہیں ہوا۔ کشمیر کے باشندے جن کی زندگی پر اس فیصلہ کے غیر معمولی اثرات مرتب ہوں گے ان کو نہ تو اعتماد میں لیا گیا اور نہ ان سے اس سلسلہ میں کسی سطح پر کوئی گفتگو ہوئی۔ جن حالات میں یہ دفعہ دستور ہند میں داخل کی گئی تھی اس کے پیش نظر اس کی حیثیت ایک معاہدہ کی تھی۔ معاہدے اِس طرح یک طرفہ طور پر معطل نہیں کیے جاتے۔

دفعہ ۳۷۰ کے ذریعہ کشمیر میں قبائلی حملہ اور ہندوستان کے ساتھ الحاق کے مخصوص پس منظر میں ریاست جموں و کشمیر کی خصوصی حیثیت کو تسلیم کیا گیا تھا۔ اس کی حیثیت حکومت ہند اور ریاست

جموں وکشمیر کے درمیان ایک معاہدہ کی تھی۔ اس کے تحت ریاست کو خصوصی اختیارات تفویض کیے گئے تھے۔ کشمیر کی اپنی ایک الگ تہذیب ہے اور ایک الگ شناخت ہے اور اس کی حفاظت کے لیے یہ اختیارات ضروری تھے۔ چنانچہ ان کا اپنا ایک الگ دستور تھا، الگ جھنڈا تھا اور کئی ایسے خصوصی اختیارات حاصل تھے جو دوسری ریاستوں کو حاصل نہیں ہوتے۔ اگرچہ گذشتہ ستر برسوں میں ان اختیارات کا دائرہ کار بھی مسلسل ترمیمات کی زد میں رہا ہے اور اس میں متعدد تبدیلیاں لائی جاچکی ہیں۔ مثال کے طور پر وہاں گورنر کے بجائے صدر ریاست ہوتا تھا اور وزیر اعلیٰ کے بجائے وزیر اعظم۔ بہرحال اہم بات یہ تھی کہ ان کو اپنے اندرونی معاملات میں بڑی حد تک خودمختاری حاصل تھی۔ مرکز کے پاس دفاع، امور خارجہ اور مواصلات کے شعبے تھے۔ وہاں کی اسمبلی کی توثیق کے بغیر کوئی قانون نافذ العمل نہیں ہوتا تھا۔ اب یہ سب ختم ہو چکا ہے اور کشمیر کا درجہ ریاست کا بھی نہیں رہ گیا بلکہ اس کی حیثیت ایک مرکزی علاقے کی ہے۔ حالانکہ کئی ریاستیں اور بھی ہیں خاص طور سے شمالی مشرقی ریاستیں جنہیں کسی نہ کسی درجہ میں خصوصی اختیارات حاصل ہیں۔ اب جموں اور کشمیر کو دو مرکزی انتظامی علاقوں (یونین ٹیریٹریز) میں منقسم کردیا جائے گا جس کا انتظام وانصرام براہ راست مرکز کے ہاتھ میں ہوگا۔ ایک طرف دہلی ایک مدت سے مکمل ریاست کا درجہ حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہے، دوسری طرف ایک ریاست کے وجود کو ختم کردیا گیا۔ ماہرین قانون کا کہنا ہے کہ اس حکمنامہ میں کئی قانونی خامیاں ہیں، انھی بنیادوں پر اس فیصلہ کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا گیا ہے اور اس کو چیلنج کرنے والوں میں اعلیٰ ریٹائرڈ ملٹری اور سول افسران شامل ہیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اس فیصلہ پر اور وہاں لاک ڈاؤن پر تین ہفتہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے اور کشمیر کے بارے میں اب بھی باوثوق ذرائع سے خبریں دستیاب نہیں ہیں۔ اس کا رابطہ اب بھی دنیا سے منقطع ہے۔ وہاں کے لوگ کیسے زندگی گزار رہے ہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں اور آئندہ حالات کیا رخ اختیار کریں گے اس کے بارے میں بھی کچھ کہنا ممکن نہیں۔

طلاق ثلاثہ کا بل تیسری کوشش میں پارلیامنٹ سے منظور ہوگیا۔ لوک سبھا سے تو یہ بل پہلے بھی دو بار منظور کیا جاچکا تھا لیکن راجیہ سبھا میں حکمراں اتحاد کی اکثریت نہ ہونے کی وجہ سے وہ یہاں

سے پاس نہیں ہوسکا تھا، اگرچہ اب بھی راجیہ سبھا میں اس کی مکمل اکثریت نہیں ہے اس کے باوجود وہ اس بار نہایت آسانی سے اس مرحلہ سے گزر گیا۔ راجیہ سبھا میں اس کی منظوری کی داستان حیرت انگیز ہے، حکمراں اتحاد کے علاوہ جن لوگوں نے اس کے حق میں ووٹ دیا یا جن لوگوں نے واک آؤٹ کیا اور اس طرح مسلمانوں کو دھوکہ دینے اور حکومت کے کام کو آسان کرنے کا کارنامہ انجام دیا، ان کے چہرے دیکھ کر آدمی حیرت میں رہ جائے اور اگر ان کے طرز عمل کے پیچھے کارفرما عوامل کا تجزیہ کیا جائے تو بڑے تلخ حقائق سامنے آتے ہیں ؎

دیکھا جو تیر کھاکے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

اگر کسی کو یہ خیال تھا کہ راجیہ سبھا میں حکمراں اتحاد کو اب بھی مکمل اکثریت حاصل نہیں ہے اس لیے اس بار بھی یہ بل پاس نہیں ہوسکے گا تو اس کی سادہ لوحی کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ بالفرض اگر یہ اس بار بھی پاس نہ ہوا ہوتا تو کچھ دنوں بعد اسے پھر پارلیامنٹ میں پیش کیا جاتا اور یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہتا جب تک حکومت کا یہ نہایت اہم منصوبہ کامیابی سے ہم کنار نہ ہوجاتا۔ بہرحال حکومت اپنے اس منصوبہ میں کامیاب ہوئی اور اب صدر جمہوریہ کے دستخط کے بعد یہ ایک قابل تعزیر جرم کی حیثیت سے ملک کے قانون میں شامل ہوچکا ہے اور بیک وقت تین طلاق دینے والوں کو تین سال تک کی سزا ہوسکتی ہے۔ اس کامیابی پر حکومت اور اس کے حامی جس طرح اپنی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں اس سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک یہ معاملہ کتنا اہم تھا۔ حکومت کے دعویٰ کے مطابق مسلمان عورت کو صدیوں سے جاری اس ذلت سے نجات مل گئی۔ مسلمان عورت اور مسلمان گھرانوں پر اس کے جو تباہ کن اثرات مرتب ہوں گے وہ اس وقت بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سے وابستہ تلخ حقائق مزید سامنے آتے جائیں گے لیکن اب اس سلسلہ میں کچھ کرنے کا وقت باقی نہیں رہا۔ وہ وقت گزر گیا جب اس سلسلہ میں کچھ کیا جاسکتا تھا۔ البتہ گزشتہ دنوں سپریم کورٹ نے اس کے خلاف مقدمہ کی سماعت منظور کر لی ہے۔ اگر اس کی مناسب انداز میں پیروی کی جائے تو ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں کسی مثبت پیش رفت کی سبیل پیدا ہو۔

حکمراں اتحاد سے کبھی کوئی توقع نہیں تھی اس لیے اس سے گلہ کا بھی کوئی موقع نہیں۔ یہ تو ابھی

ابتدا ہے۔ یہ تو دراصل یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا مقدمہ ہے۔ مسلمانوں کے سلسلہ میں ان کے کیا منصوبے اور کیا ارادے ہیں، اس سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے اس لیے کہ اس کے بغیر ان کے سدباب کے لیے کوئی موثر منصوبہ بندی بھی نہیں کی جاسکتی ہے لیکن طلاق ثلاثہ کا معاملہ تو گزر چکا۔ اس بارے میں حکومت کے ارادوں کا اندازہ بھی تھا اور وقت اور موقع بھی تھا جس سے فائدہ اٹھا کر اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھایا جاسکتا تھا، چنانچہ اس تناظر میں یہ سوال زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے جس تیاری اور منصوبہ بندی کی ضرورت تھی، کیا اس کا حق ادا کردیا گیا تھا۔ بدقسمتی سے عام تاثر اس کے برعکس ہے۔ پڑھے لکھے مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں میں یہ تاثر عام ہے کہ شاید اس سلسلہ میں وہ سب کچھ نہیں کیا گیا جس کی ضرورت تھی اگرچہ اس کے لیے وقت بہت ملا۔ یہ تاثر عام ہے کہ اگر مسلکی تحفظات سے اوپر اٹھ کر اور پوری منصوبہ بندی سے کام لیا گیا ہوتا تو شاید حکومت کو مسلمانوں کے عائلی قوانین میں اتنی بڑی دخل اندازی کا موقع نہ ملتا۔ خاص طور سے اس لیے بھی کہ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی واضح ہدایات موجود ہیں اور اگر ایسا کیا جاتا تو قرآنی احکامات کے عین مطابق ہوتا۔ اس سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ ملی قیادت پر اعتماد میں کمی آئی ہے۔ یہ مستقبل کے لیے فال نیک نہیں ہے اور اس کے تدارک کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہیے۔

گذشتہ دنوں اکیڈمی نے تین نئی کتابیں شائع کیں: علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں، ارمغان سلیمان اور تاریخ اندلس حصہ سوم۔ پہلی کتاب علامہ شبلی کی ان تعزیتی تحریروں پر مشتمل ہے جو مختلف شخصیات کے انتقال پر ان کے قلم سے نکلیں اور وقت کے معروف رسائل میں شائع ہوئیں۔ ان بکھرے ہوئے شہ پاروں کی جمع و ترتیب کا کام ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب نے انجام دیا ہے۔ ارمغان سلیمان معمار دارالمصنّفین مولانا سید سلیمان ندوی کی اردو شاعری کا مجموعہ ہے۔ جناب غلام محمد صاحب کی کوشش سے یہ مجموعہ ۲۰۱۲ء میں پاکستان سے شائع ہوگیا تھا البتہ ابھی تک یہ ہندوستان میں دستیاب نہیں تھا۔ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ تاریخ اندلس حصہ دوم کی اشاعت کے چند مہینوں بعد ہی اس کی تیسری جلد کی اشاعت کی توفیق نصیب ہوئی۔ یہ جلد اندلس میں اموی خانوادہ کی حکمرانی کے آخری دور سے متعلق ہے۔ انشاءاللہ اس سلسلہ کی چوتھی اور آخری جلد بھی جلد شائقین کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

مقالات

قرعہ اندازی کی سنت نبوی

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی☆

کتاب وسنت اور سیرت وفقہ کے مآخذ اصلی سے اور دوسرے علوم اسلامی کے مصادر قدیم سے قرعہ اندازی کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن مجید کی بعض آیات کریمہ میں اس کا ذکر سنت الانبیا کے بطور آیا ہے۔ سورہ آل عمران: ۴۴ میں فرمان الٰہی ہے: وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُون أَقْلاَمَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ۔ امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں آیت کریمہ سے متعلق وہ فقرے نقل نہیں کیے جن کا تعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس قرعہ اندازی کے دو واقعات سے ہے یعنی جب وہ قلم ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے اور آپ اس وقت بھی موجود نہ تھے جب وہ اس معاملہ میں جھگڑ رہے تھے۔ سابق انبیائے کرام کے واقعات کے بیان میں یہ خاص قرآنی اظہار ہے۔ امام موصوف نے اس کی شرح میں حدیث ابن عباسؓ نقل کی ہے کہ انھوں نے اپنے اقلام نہر/ پانی میں ڈالے اور حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم پانی کے اوپر تیرتا رہا، لہٰذا ان کا قرعہ صحیح نکلا اور انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کی۔ حافظ ابن کثیر نے بعض احادیث اور بھی نقل کی ہیں۔ ان میں سے ایک امام طبری سے متعدد کبار تابعین جیسے عکرمہ، قتادہ، سدی، ربیع بن انس، وغیرہ سے یہ بھی ہے کہ وہ ان کے تورات لکھنے کے قلم تھے اور اپنے اختلاف کفالت مریم علیہا السلام کے معاملہ میں وہ سب مدعیان کفالت نہر اردن گیے اور اس میں اپنے قلم ڈالے تو سب کے ڈوب گئے اور حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم تیرتا رہا لہٰذا ان کی کفالت مریمؑ کا فیصلہ ہو گیا۔ اس سے قبل انھوں نے حضرت مریمؑ کے خالو ہونے کا دعویٰ پیش کر کے حق کفالت جتایا تھا لیکن دوسرے اکابر نے مسترد کر دیا

☆ پروفیسر، صدر، ڈائریکٹر (سابق) ادارہ علوم اسلامیہ وشاہ ولی اللہ دہلوی ریسرچ سیل، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

کہ وہ ہمارے امام کی دختر ہے لہٰذا اس کا فیصلہ قرعہ اندازی سے ہوگا۔ حضرت زکریاؑ کے دوسرے فضائل کا بھی ذکر ہے۔ امام ابن عطیہ اندلسی نے اپنی تفسیر المحرر الوجیز میں امام سیرت ابن اسحاق کی ایک روایت وشرح کا ذکر کیا ہے کہ قرعہ اندازی کی نوبت یوں آئی کہ وہ سب بھکمری کا شکار تھے، لہٰذا اپنی گراں باری اور کفالت کے لیے وہ قرعہ اندازی کے لیے مجبور ہوئے۔ شارح الوجیز کے مطابق وہ تفسیر طبری میں ہے۔ (بخاری/ فتح الباری، ۵/ ۳۵۹-۳۶۴: کتاب الشهادات، باب القرعة فی المشکلات؛ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، آیت آل عمران، امام ابومحمد عبدالحق بن عطیہ الاندلسی، المحرر الوجیز، مرتبہ علماء باحثین و وزارت اوقاف و امور اسلامی، قطر ۲۰۱۵ء، ۲/ ۴۱۴ وما بعد (آئندہ بالترتیب دونوں مفسرین کے لیے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر ابن عطیہ، آیات کے حوالے سے)، تفسیر طبری، ۶/ ۳۵۳ نیز تفسیر ابن المنذر، ۱/ ۱۸۰-۱۸۱ بحوالہ شارحین۔ شرح بخاری میں حافظ عسقلانی نے قلم زکریا علیہ السلام کی بلندی/ رفعت کا ذکر کیا ہے مگر تاریخ حلب کے حوالے سے اس نہر کو حلب کی مشہور ''نہر قویق'' قرار دیا ہے۔

امام بخاری نے اپنے اس ترجمۃ الباب میں دوسری آیت کریمہ: (صافّات: ۱۴۱) ''فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ'' میں اول الذکر کے معنی ''اقرع'' اور موخر الذکر کے ''المسھومین'' بتائے ہیں۔ شارح عسقلانی کے بقول وہ فساہم کے معنی ''اقرع'' حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر ہے جو ابن جریر طبری نے طریق معاویہ بن صالح بن علی بن ابی طلحہ سے ان سے روایت کی ہے اور یہی امام تفسیر السدی سے بھی مروی ہے: ''فساہم ای قارع''۔ اس طرح مدحضین کی تفسیر ''مسھومین'' بھی بمعنی ''المقروعین'' صحابی موصوف سے طبری نے طریقہ ابن ابی نجیح عن مجاہد بلفظ المسھومین نقل کی ہے۔ حافظ امام اور ان کے شارح گرامی دونوں نے اس آیت کریمہ میں مذکور قرعہ اندازی کے ہدف وغیرہ کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی امام حدیث نے اس کی تفسیر کہیں کی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حضرت یونس/ ذوالنون علیہ السلام کے حوالہ وقصہ کے ضمن میں متعدد آیات واحادیث وروایات متعدد معاملات سے متعلق نقل کی ہیں۔ ان میں ان دونوں بنیادی تعبیرات کی تشریحات بھی ہیں۔ ان میں تو وہی ''قارع'' والی تعبیر ہے مگر مدحضین کی ایک شرح دیگر ''المغلوبین'' کی ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ کشتی بہت زیادہ بھر گئی اور موجوں میں اس کی غرقابی کا خطرہ پیدا ہوا تو وزن کم کرنے کے لیے ایک شخص کو پھینک دینے

کا فیصلہ ہوا اور قرعہ اندازی میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا اور تین بار نکلا لہٰذا ان کو دریا میں پھینک دیا گیا اور گرتے ہی ان کو ایک مچھلی نے اپنے بطن میں محفوظ کرلیا۔ یہ تفسیر بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ (بخاری/ فتح الباری، مذکورہ بالا تفسیر ابن کثیر، آیت صافّات: ۱۴۱)

قرعہ اندازی کا طریقہ/ طریقے: سنت الانبیاء اور ان سے متعلق آیات کریمہ میں سے ایک حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے لیے قرعہ اندازی کا ایک طریق:

۱۔ اقلامِ تورات کو جاری پانی یا نہر کے پانی میں ڈالنے کا معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے جس کا قلم اوپر تیرتا رہے یا دوسروں سے بلندی پر رہے وہ فاتح اور کامیاب ہوجاتا ہے۔

۲۔ دوسرا طریق سنت الانبیا میں حضرت یونس علیہ السلام کے باب میں کشتی رانوں یا ان کے ذمہ داروں نے اختیار کیا تھا مگر وہ کیا تھا۔ اس کا طریق ان روایات تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں نہیں ہے۔ البتہ یہ صراحت ملتی ہے، اور وہ غالباً قطعیت و انصاف کی خاطر اختیار کی گئی تھی، تین بار قرعہ اندازی کی گئی تھی۔

۳۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کسی کشتی (سفینہ) میں جگہ پانے کے لیے قرعہ اندازی کے دو طریق بیان کیے ہیں: ایک سبقت/ پہلے آنے پر جگہ پانے کا حقدار بتاتا ہے بشرطیکہ وہ لوگ باری باری آئیں، ایک دم سے سوار ہونے کے لیے پھر قرعہ اندازی کی جاتی تھی۔ (فتح الباری، مذکورہ بالا، قرعہ اندازی کے ذریعہ کشتی وغیرہ میں جگہ پانے کے معاملہ پر بحث میں ابن التین کی شرح دی ہے کہ وہ چاہے اجرت پر ہو یا ملک کا معاملہ مگر تعدیل ضروری ہے۔)

۴۔ قبل بعثت کے احوال وظروف اور واقعات میں تیروں (اسہام) کے ذریعہ قرعہ اندازی کا ایک مستحکم رواج اور پختہ روایت رہی تھی۔

حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کی مزعومہ روایت ابن اسحاق میں نذر/ قربانی/ ذبح عبداللہ بن عبدالمطلب میں تیروں کے ذریعہ ہی قرعہ اندازی کی گئی تھی اور عرب جاہلی اور اسلامی معاشرت میں تیروں کے ذریعہ قرعہ اندازی کا طریقہ ہی جاری رہا۔ وہ اتنا غالب وکارساز ہوا کہ عربی لغت پر اثر انداز ہوا جیسا کہ عہد نبوی میں قرعہ اندازی کے طریق میں نظر آتا ہے۔ عرب معاشرت میں ''صاحب الاقداح'' کا ایک منصب بھی تھا جو اختلاف دعاوی یا تصفیہ معاملات کے لیے ''قدح''/ تیر سے قرعہ نکالتا اور

فریقین یا متعدد مدعیوں اور فریقوں کے درمیان قرعہ اندازی سے فیصلہ کرتا تھا۔ (ابن اسحاق/ ابن ہشام، ۱/ ۱۰۲۔۱۰۸ وما بعد؛ حضرت عبدالمطلب ہاشمی نے اس صاحب اقداح/ کعبہ کے ذریعہ ان دو مواقع پر قرعہ نکلوایا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی کی ذبح کرنے کی نذر کی مزعومہ روایت میں خیبر کی ''عرافہ'' نے بھی اسی طرح اونٹوں اور فرزند پر قرعہ اندازی کا مشورہ دیا تھا۔ مقالہ خاکسار ''نذر عبدالمطلب ہاشمی کی استنادی حیثیت، الفرقان، لکھنؤ، اکتوبر۔نومبر ۲۰۰۲۔)

۵۔ غزوہ بدر میں میدان جنگ جانے سے قبل متعدد اکابر قریش نے شرکت یا عدم شرکت کے لیے قرعہ اندازی سے کام لیا تھا جیسا کہ مصادر سیرت میں سے سالار کاروان قریش نے ضمضم غفاری کو فوج قریش لانے کے لیے بھیجا تو اس کی تاکید کی وہ تیروں سے فال نہ نکالیں۔ حکیم بن حزام اسدی وغیرہ اکابر نے قرعہ اندازی کی اور غزوہ میں جانے کے خلاف قرعہ نکلا مگر وہ اس کے فیصلہ کے خلاف اکابر کے دباؤ میں گئے: فاستقسمت بالازلام ...'' استقسموا بالازلام۔ (واقدی، ۶۰ وما بعد؛ حلبی، سیرت حلبیہ بحوالہ امتاع الاسماع، ۲/ ۲۰۰)

قرعہ سنت ہے: امام ابن عطیہ اندلسی نے اپنی تفسیر سورہ آل عمران: ۴۴ میں اسے سنت قرار دیا ہے: ''القرعة سنة'' اور اس کے لیے خاص امام ابن قدامہ کی الشرح الکبیر، ۱۲/ ۲۹۸ کا حوالہ دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر کی شرح بخاری میں بھی اسے سنت متواترہ کہا گیا ہے۔ حواشی نگاروں نے اسے متفق علیہ احادیث نبوی سے مستند بنایا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی احادیث بخاری: ۲۵۹۳، ۲۶۸۸، ۲۸۷۹، ۵۲۱۱ اور حدیث مسلم: ۲۴۴۵ کی تخریج کی ہے۔ اسی طرح سفر کے لیے ازواج مطہرات کے درمیان نبوی قرعہ اندازی کی متفق علیہ احادیث مذکورہ بالا ہیں۔ اس کے علاوہ امام اندلسی نے صف اول کی فضیلت کے باب میں قرعہ اندازی کی احادیث/ حدیث نقل کی ہے: ''لو یعلمون ما فی الصف الاول لاستهموا علیه''۔ حواشی میں اس کی احادیث متفقہ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی گئی ہیں (بخاری: ۶۱۵، ۶۵۲، ۷۲۱، ۲۶۸۹؛ مسلم: ۴۳۷)۔ اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشترکہ غلاموں کے آزاد کرنے یا نہ کرنے کے باب میں قرعہ اندازی کا ذکر/ حدیث کے حوالہ سے امام اندلسی نے جمہور علماء کے خیال جواز واجازہ کے حوالہ سے کیا ہے۔ موخرالذکر کی احادیث/ حدیث مسلم ہیں: ۱۶۶۸، ان کے علاوہ بعض دوسری آیات کریمہ اور ان کے مباحث میں بھی قرعہ اندازی کی سنت کا ذکر آیا ہے اور

واقعات سیرت کے باب میں بھی متعدد مواقع پر قرعہ اندازی کر کے مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کا ذکرامام بخاری نے کئی احادیث میں کیا ہے۔(تفسیر ابن عطیہ اور فتح الباری مذکورہ بالا)

ان تمام احادیث نبوی اور تشریحات ائمہ وشارحین سے واضح ہوتا ہے کہ قرعہ اندازی ایک متواتر سنت نبوی تھی،وہ مختلف معاملات وامور اور واقعات وحوادث میں اختیار کی گئی،وہ سماجی معاملات میں عدل و انصاف اور تعدیل و تشخیص کی وجہ سے بھی تھی اور مسائل و مشکلات کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کی غرض سے بھی تھی۔اس کے ساتھ وہ امت کے افراد یا معاملت کے فریقوں کی تسکین و تسلی اور اطمینان قلب کے لیے اختیار کی گئی۔اس کے دینی،سماجی،تشریعی اور تہذیبی مقاصد اور منافع تھے جن کا تجزیہ آخر میں آتا ہے۔بحیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو پورا اختیار تھا کہ اپنی زبان مبارک اور عمل فاصل سے فیصلہ کر دیتے اور سب اہل ایمان اسے بلا تردد تسلیم کر لیتے لیکن آپ نے مختلف معاملات سماجی ودینی وغیرہ میں انسانی نفسیات اور فطری بشری جذبات کی رعایت کے لیے قرعہ اندازی ضروری سمجھی۔

شرکت غزوہ پر قرعہ اندازی: عرب افتخار مردانگی اور قبائلی جوش جنگ وجدال ان کے جوانوں اور بزرگوں کو اپنے عرب حریفوں سے نبرد آزمائی پر اکساتا تھا۔اسلام اور پیغمبر اسلام اور اسلامی ریاست کے خلاف ان کا خروش جنگوئی قومی عزت وآبرو کا معاملہ بن گیا تھا جس پر جان دینے کا معاملہ آن کا تھا۔اسلامی جہاد اور راہ الٰہی میں قتال کرنے والے شوق شہادت سے تن من دھن اور جان و مال نچھاور کرنے پر درپے رہتے تھے اور ان کے عرب خون میں دوڑنے والے قبائلی حمیت وشجاعت کے ذروں نے ان کو دوگنی طاقت دے دی تھی اور اس وجہ سے وہ جہاد میں شرکت کو سعادت سمجھتے تھے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیکراں محبت وعقیدت نے ان کو سرفروشانہ شرکت پر ہمیشہ برانگیختہ کیا اور بسا اوقات اس کے لیے قرعہ اندازی کی نوبت آگئی۔غزوہ ذو العشیرہ میں کاروان تجارت قریش کی روک تھام کے لیے جب رسول اکرمؐ نے مسلمانوں کو دعوت جہاد دی تو کافی انصار بھی شریک ہو گئے۔حضرت سعد بن خیثمہؓ اور ان کے بزرگ والد ماجد حضرت خیثمہؓ انصاری دونوں نے غزوہ میں شرکت کا ارادہ کر لیا کہ شاید شہادت ملے۔دونوں شوق شہادت سے لبریز تھے۔لیکن مسئلہ یہ تھا کہ خاندان اور خاص کر خواتین کی حفاظت اور دیکھ بھال کا ایک ضروری فرض بھی درپیش تھا۔بزرگوار خیثمہؓ نے فرزند عزیز سے کہا کہ

''مجھے ترجیح دو اور تم اپنی عورتوں / بیویوں کے ساتھ رہو'' مگر حضرت سعدؓ نے انکار کیا اور کہا کہ اگر جنگ کے علاوہ کوئی اور غرض ہوتی تو میں آپ کو ترجیح دیتا مگر مجھے اس غزوہ میں شہادت کی امید ہے لہٰذا آپ کو ترجیح دینے سے قطعی معذور ہوں''۔ بہت مباحثہ و بحث کے بعد بالآخر قرعہ اندازی کرنے کا فیصلہ ہوا اور حضرت سعدؓ بن خیثمہ کا قرعہ نکلا اور وہ شریک غزوہ ہوئے جو بدر القتال پر منتج ہوا اور اسی میں انھوں نے شہادت پائی۔ واقدی نے وضاحت کی ہے کہ بدر میں شرکت کرنے کے لیے سعدؓ بن خیثمہ اور ان کے والد نے قرعہ اندازی کی اور وہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے شرکت جہاد کے لیے قرعہ اندازی کا سہارا لیا تھا، لہٰذا اس سے واضح ہوتا ہے کہ اور لوگوں نے بھی قرعہ اندازی کی تھی اور وہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے شرکت جہاد کے لیے قرعہ اندازی کا سہارا لیا تھا لہٰذا اس سے واضح ہوتا ہے کہ اور لوگ بھی قرعہ اندازی کرنے والے تھے۔ (واقدی، ۵۱، ۱۳۲، ''وندب رسول اللہ ﷺ المسلمین ...... فأسرع من اسرع حتی ان کان الرجل لیسا ھم اباہ فی الخروج فکان ممن ساھم خیثمۃ وابوہ فی الخروج الی بدر الخ''، ابن اسحاق / ابن ہشام، حمدی طباعت، ۲ / ۲۲۵، شہداء بدر میں حضرت سعدؓ بن خیثمہ کا نام ہے اور شرکاء بدر کی فہرست میں بھی: ۲ / ۲۱۶، ان کے مولیٰ بقول ابن ہشام تمیم بھی شریک بدر تھے۔)

اصابہ: ۳۱۴۸ / ۳۱۴۹ کے مطابق حضرت سعدؓ بن خیثمہ اوسی تھے اور بنو عمرو بن عوف کے نقیب بھی تھے اور بیعت عقبہ کے شریک، بدر میں شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کی تاریخیں متعدد ہیں۔ یہ وہی حضرت خیثمہ ہیں جن کا گھر بیت العزاب کہلاتا تھا اور قبا میں کنوارے مہاجرین کی منزل و جائے قیام تھا اور جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے جاتے تھے اور مجلس صحابہ میں شرکت اور تعلیم و تربیت کرتے تھے۔ ابن حجر کے مطابق صحیح یہ ہے کہ وہ بدری شہید ہیں۔ واقدی، ۱۷۶ نے حضرت خیثمہؓ ابو سعدؓ بن خیثمہؓ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غزوہ احد کے موقع پر ان کا طویل مکالمہ نقل کیا ہے جس میں آرزوئے شہادت کا ذکر ہے اور قرعہ اندازی کا بھی۔ غزوہ بدر میں بھی شرکت و شہادت کا حریص تھا مگر فرزند سعدؓ کے نام قرعہ نکلنے سے موقع ہاتھ سے نکل گیا اور اس کے نام کا قرعہ نکلا اور وہ شہادت سے سرفراز ہوا۔ رات میں نے اپنے فرزند کو خواب میں بہت اچھی حالت اور جنت کی نہروں اور پھلوں میں گشت کرتے دیکھا اور وہ مجھ سے کہہ رہا تھا: مجھ سے جنت میں آ کر ملو اور مرافقت کرو اور

میں نے تو اللہ کا وعدہ جو اس نے مجھ سے کر رکھا تھا سچا پایا۔" صبح کو میں جب جاگا تو جنت کا مشتاق اور بھی ہو گیا۔ میرا سن بہت زیادہ ہو گیا ہے اور ہڈیاں گل گئی ہیں۔ مجھے اپنے رب سے ملاقات کا بیکراں اشتیاق ہے۔ لہٰذا یا رسول اللہ! میرے لیے شہادت کی دعا فرمائیں کہ جنت میں سعدؓ فرزند کی صحت و مرافقت کی مسرت و دولت عطا ہو"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی اور وہ احد میں شریک ہو کر شہید ہوئے۔ ان کو ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی نے قتل کیا تھا جو قریشی سوار اور غزوہ بدر میں میمنہ کے سالار تھے اور احد میں بھی سالار رہے۔ وہ عم نبوی ابو طالب کی دختر ام ہانیؓ کے شوہر تھے اور فتح مکہ کے بعد نجران بھاگ گئے اور کفر پر مرے۔ ام ہانیؓ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ (واقدی ۲۵۰ وغیرہ)

اسیر جنگ میں قرعہ اندازی: غزوہ بدر کے معاملات و مسائل اور فضائل و اعمال میں سے ایک کا تعلق قرعہ اندازی کی عرب و اسلامی روایت اور سنت نبوی سے بھی ہے۔ بعض اسیروں اور جنگی قیدیوں کے گرفتار کرنے اور اسیری کے حقوق کے معاملہ پر اختلاف پیدا ہو جاتا کہ ایک قیدی کے دو دو دعویدار اٹھ کھڑے ہوتے۔ وہ دنیاداری یا مال غنیمت حاصل کرنے کے فروتر جذبے اور جاہلی محرک کا شاخسانہ نہیں ہوتا تھا، وہ اپنے حقوق طلبی اور صدق مقالی کا معاملہ تھا۔ بہرحال شہادت اور شاہدوں کی فیصلہ کن دخل اندازی سے معاملہ کسی ایک مدعی کے حق میں فیصل ہو جاتا اور فریق مخالف/ مدعی دیگر اسے مان لیتا۔ فیصل قول و شہادت کی عدم موجودگی میں پایان کار قرعہ اندازی کا طریق اپنایا جاتا اور وہ فریقین کو مطمئن اور سالار اعلیٰ کا اضطراب دور کر دیتا۔ اس کی چند مثالیں غزوات و سرایا کے حوالے سے اس نوع قرعہ اندازی کی شہادت دیتی ہیں:

غزوہ بدر: خاندان بنو عبدالدار بن قصی/ قریش کے ایک مالدار ماں کے فرزند ابو عزیز بن عمر عبدری کو روایات کے مطابق حضرت ابوالیسرؓ نے قید کیا تھا۔ وہ عظیم صحابی حضرت مصعب بن عمیر عبدریؓ کے برادر خورد تھے۔ اختلاف مدعیان پر قرعہ اندازی سے وہ حضرت محرز بن نضلہؓ کے اسیر ٹھہرے اور ان کی ماں نے گراں قدر/ بلند ترین شرح فدیہ معلوم کر کے ان کو چار ہزار درہم دے کر آزاد کرا لیا۔ (واقدی، ۱۲۸، ۱۲۹۔)

حکم نبوی پر تمام اسیروں کو واپس/ جمع کرنے کے بعد تمام صحابہ نے اپنے اسیر واپس کر دیے۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص زہری نے اپنے ایک اسیر حارث بن ابی وجزہ کو واپس کیا اور پھر

قرعہ اندازی میں وہ ان ہی کے نام نکلے اور چار ہزار درہم زرِ فدیہ دے کر چھوٹے۔ (ابن اسحاق/ ابن ہشام/ سہیلی ۳/ ۷۷ اوبعد؛ واقدی، ۱۲۸)

عقبہ بن حارث بن الحضرمی کو قید تو کیا تھا حضرت عمارہؓ بن حزم نے لیکن قرعہ حضرت ابیؓ بن کعب کے نام کا نکلا۔ (واقدی، ۱۲۸)

ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی: سنت قرعہ کی یہ نوعیت سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔ وہ سماجی عدل اور معاشرتی انصاف کی خاص حالات میں ضامن بھی ہے۔ احادیث و روایات سیرت کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی سفر کرتے یا غزوات میں تشریف لے جاتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے۔ اسفار کی نوعیت کے لحاظ سے ان کی مختلف نوعیتیں تھیں مگر ان سب کو کتب حدیث وسیرت وتاریخ میں غزوات ہی کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض بیرونی اسفار تھے اور وہ تبلیغی و دینی نوعیت کے تھے۔ ان میں خاص عمرہ کے دو اسفار عمرہ حدیبیہ اور عمرۃ القضا تھے۔ اور حجۃ الوداع نامی خاص الخاص دینی حج کی ادائیگی کا سفر آخر تھا مگر اس میں قرعہ اندازی کی ضرورت نہیں پڑی کہ آپ تمام ازواج کو ساتھ لے گئے تھے۔ جنگی نوعیت کی مہمات یعنی حقیقی غزوات میں ازواج مطہرات میں ایک دو کا انتخاب قرعہ اندازی کے طریقہ سے فرماتے تھے اور ان کا ذکر ترتیب سے کیا جاتا ہے اور احادیث محدثین اور روایات امامان سیرت کے حوالے سے، جو بجائے خود کبار محدثین تھے، کہ ان کی روایات میں قیمتی اضافات ملتے ہیں۔

حدیث بخاری: ۲۵۹۳ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے اور اس میں قرعہ اندازی کی سنت نبوی کا ذکر خاص حوالے سے ہے: "كان رسول الله ﷺ اذا اراد سفرا أقرع بين نسائه فأيتهن خرج سهمها خرج بها معه... الخ"۔ یہ کتاب الھبۃ، باب ھبۃ المرأۃ لغیر زوجھا... الخ کی حدیث شریف حضرت سودہ بنت زمعہؓ کی باری ہبہ کرنے کی خاطر اور حوالے سے آئی ہے اور باقی حدیث اس سے متعلق ہے اور اس کے بہت سے اطراف ہیں: ۲۶۳۷، ۲۶۶۱، ۲۶۸۸، ۴۰۲۵، ۴۱۴۱، ۴۶۹۰، ۴۷۴۹، ۴۷۵۰، ۴۷۵۷، ۵۲۱۲، ۶۶۶۲، ۶۶۷۹، ۷۳۶۹، ۷۳۷۰، ۷۵۰۰، ۷۵۴۵۔ یہ سولہ اطراف اتنی ہی مکررات بخاری کی تعداد میں ہیں اور ان کے قاعدے کے مطابق اتنی ہی احادیث ہیں۔ ان میں نہ صرف ان کی سند رواۃ بدلتی ہے بلکہ بسا اوقات ان کے سماجی پس منظر میں تبدیلی آتی ہے

خواہ سفر نبوی کا عام معاملہ ہو یا خاص غزوات کا ہو یا اور کسی واقعہ سیرت کا ہو۔ ان سے اس حدیث و سنت کے تواتر کا پہلو نکلتا ہے۔ ان کا ایک تجزیہ ان نکات کی افہام و تفہیم میں مددگار ہوگا۔

۲۶۳۷: حدیث الافک بخاری ہے، حدیث عائشہ صدیقہؓ واقعہ افک کے بارے میں ہے مگر اس میں اہل بیت سے مشورہ کا ذکر ہے اور قرعہ اندازی کا نہیں ہے۔

۲۶۶۱۔ حدیث افک بخاری مفصل ہے: کتاب الشهادات، باب تعديل النساء بعضهن بعضا سے ہے اور قرعہ اندازی کا جملہ رکھتی ہے: ''كان رسول الله ﷺ اذا اراد ان يخرج سفرا، أقرع بين ازواجه، فأيتهن خرج سهمها أخرج بها معه فأ قرع بينا فى غزاة غزاها فخرج سهمى فخرجت معه بعد ما انزل الحجاب......الخ''۔

مسند احمد بن حنبل میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہی روایت منقول ہے اور اس میں قرعہ اندازی کے ذکر کے بعد غزوہ کی تعیین نہیں ہے (حیات طیبہ ۲۸۶: ۲۶۸۸، حدیث عائشہ صدیقہؓ، حضرت سودہؓ کی باری کے ہبہ کرنے کے حوالہ سے: كان رسول الله ﷺ اذا اراد سفرا اقرع بين نسائه، فأيتهن خرج سهمها خرج بها معه''۔ (فتح الباری ۵/ ۳۶۰)

۴۰۲۵: حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ صرف واقعہ افک کی ایک جہت کا ذکر ہے جس کا تعلق حضرت ام مسطحؓ کے سب و شتم فرزند سے ہے۔

۴۱۴۱: حدیث حضرت عائشہؓ، باب حدیث الافک کی مفصل حدیث ہے اور اس میں قرعہ اندازی کا ذکر اور حضرت عائشہؓ کا قرعہ نکلنے اور ساتھ جانے کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے مگر عام غزوہ کا حوالہ ہے اور غزوہ مریسیع کا تعین نہیں ہے۔ وہ حدیث بخاری: ۲۶۶۱ کے مانند ہے۔ حدیث بخاری: ۴۶۹۰ میں سیاق واقعہ افک کا ایک حصہ حضرت عائشہؓ کی براءت سے متعلق ہے اور قرعہ کا ذکر نہیں ہے۔ ۴۷۴۹ واقعہ افک کے اصل بانی (تولی کبرہ) کے مصداق کے متعلق مختصر ہے مگر حدیث: ۴۷۵۰ مفصل حدیث الافک ہے اور اس میں قرعہ اندازی کا پورا جملہ ہے جو حدیث: ۲۶۶۱ کی مانند ہے۔ حدیث: ۴۷۵۷ اگرچہ واقعہ افک کے بعد کے معاملات سے متعلق ہے مگر اس میں قرعہ اندازی کا ذکر نہیں ہے۔ ۵۲۱۱ حدیث عائشہؓ میں ایک نئی اور قیمتی جہت قرعہ اندازی کی ملتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے اور قرعہ عائشہؓ و حفصہؓ دونوں کے نام نکل آیا:

"أن النبی ﷺ کان اذا اراد سفرا اقرع بین نسائه. فطارت القرعة لعائشة و حفصة"۔ (بخاری/ فتح الباری، کتاب النکاح، باب القرعة بین النساء اذا اراد سفرا: ۹/ ۳۸۵ و مابعد)

حافظ عسقلانی نے اپنی شرح میں ابن سعد کی سند سے حدیث عائشہؓ کا اضافہ نقل کیا ہے: "فکان اذا خرج سهم غیری عرف فیه الکراهیة" اور مشروعیت قرعہ اندازی پر بحث کی ہے اور کتاب الشہادات کی سابقہ بحث کا حوالہ دیا ہے اور فقہاء کے افکار و فتاویٰ سے بھی بحث کی ہے۔ مگر سفر کی تعیین نہیں کی اور اسے ایک عام سفر قرار دیا: "ای فی سفرة من السفرات"۔ لفظ "طارت" کے معنی حصلت (حاصل ہونے کے) بتائے ہیں۔ حدیث ۵۲۱۲: حضرت سودہؓ کے باری ہبہ کے سیاق میں بلا حوالہ قرعہ ہے۔ بقیہ تمام احادیث بخاری مفصل حدیث الافک کے مختلف حصے/ ٹکڑے ہیں اور واقعہ کے کسی نہ کسی جزو یا جہت سے متعلق ہیں اور ان سب میں قرعہ اندازی کا حوالہ نہیں ہے۔ (ابن ماجہ، ابواب الاحکام، باب القضاء بالقرعة، حدیث عائشہ رضی اللہ عنہ: ۲۳۴۷...... اذا سافر اقرع بین نسائه"، ابوداؤد، کتاب النکاح، باب فی القسم بین النساء، اردو ترجمہ مجلس علمی دارالدعوۃ نئی دہلی، مراجعہ و تحقیق عبدالرحمن فریوائی، ۲۰۰۴ء حدیث: ۲۱۳۸؛ تخریج میں بخاری، مسلم، مسند احمد، دارمی، ق کے کتب و ابواب کے حوالے ہیں، ابن ماجہ کا نہیں ہے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔)

اماماں سیرت میں سے امام ابن اسحاق، ابن ہشام، واقدی، ابن سعد اور متعدد دوسروں نے بھی ازواج مطہرات کے درمیان اسفار و غزوات میں قرعہ اندازی کی سنت کا ذکر کیا ہے اور محدثین کرام کی احادیث شریفہ پر کچھ زیادات و اضافات بھی کیے ہیں جو بہت اہم ہیں۔ بالعموم تمام ہی اماماں حدیث و سیرت نے سفر و غزوہ میں قرعہ اندازی کا واضح ذکر غزوہ مریسیع کے واقعہ افک کے حوالے سے اور حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ذکر سے ہی کیا ہے جیسا کہ مسند احمد بن حنبل میں اس کی روایت مانند بخاری کا ذکر اوپر آچکا۔ لیکن ان کے اضافات کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔ امام ابن اسحاق نے حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث الافک کا آغاز یوں کیا ہے: "کان رسول الله ﷺ اذا اراد سفرا أقرع بین نسائه، فایتهن خرج سهمها خرج بها معه، فلما کانت غزوة بنی المصطلق أقرع بین نسائه، کما کان یصنع، فخرج سهمی علیهن معه، فخرج بی رسول الله ﷺ"۔ (ابن اسحاق/ ابن ہشام، حمدی طباعت، مکتبۃ المورد،

قاہرہ ۲۰۰۶ء، ۳/۱۸۵)

امام واقدی کی ذکر حدیث الافک میں مزید شرح واضافہ ہے: ان رسول اللہ ﷺ کان اذا خرج فی سفر اقرع بین نسائه، فأیتھن سھمھا خرج بھا، وکان یحب ألا افارقه فی سفر ولا حضر، فلما اراد غزوۃ المریسیع اقرع بیننا فخرج سھمی وسھم ام سلمة فخرجنا معه...الخ "(واقدی، کتاب المغازی، مرتبہ مارسدن جونس، عالم الکتب بیروت ۲۰۰۶ء ۳۱۲) امام ابن سعد نے غزوہ مریسیع کے بیان میں دونوں ازواج مطہرات کی معیت کی تصدیق کی: "وانتھی رسول اللہ ﷺ الی المریسیع......ومعه عائشة وام سلمة ......الخ اگر چہ اس میں قرعہ اندازی کا معمول نبوی نہیں بیان کیا ہے۔(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۶ء ۲/۲۸۱) غزوۃ الحدیبیہ کے بیان میں بھی دونوں امامین ہمامین۔ واقدی، ابن سعد۔ نے آپ کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ کی معیت کا ذکر کیا ہے کہ وہ چار خواتین میں سے ایک تھیں: (واقدی، ۴۰۶؛ ابن سعد، ۲/۲۹۷) ان میں قرعہ اندازی کا صراحت کے ساتھ ذکر نہیں ہے لیکن وہ مضمر و پختہ ضرور ہے۔ اسی طرح غزوہ خیبر میں حضرت ام سلمہؓ کی معیت کا دونوں نے ذکر کیا ہے: (واقدی، ۴۷۱ و مابعد؛ ابن سعد، ۲/۳۰۳: واخرج معه ام سلمة زوجته......"۔) اس غزوہ میں بیس خواتین میں سے ایک حضرت ام سلمہؓ تھیں۔ حضرت ام سلمہؓ غزوہ عمرۃ القضیہ میں بھی ساتھ گئی تھیں اور غزوہ تبوک میں بھی تھیں، (واقدی، ۶۸۳؛ ابن سعد، ۲/۳۱۶) ان تمام غزوات میں ان کا انتخاب بہر حال قرعہ اندازی کی وجہ سے ہوا تھا۔

غزوات فتح مکہ، حنین، طائف اور حجۃ الوداع میں قرعہ اندازی کی ضرورت ہی نہیں پڑی کہ تمام ازواج مطہرات کو آپ ساتھ لے گئے تھے۔(ابن اسحاق/ابن ہشام بحوالہ سہیلی، الروض الانف، مرتبہ مجدی بن منصور، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۲۰۰۹ء، ۴/۱۵۳ و مابعد۔)

مہاجرین کے قیام کے لیے قرعہ اندازی: ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین مکہ وغیرہ کے قیام وسکونت اور میزبانی کے لیے انصار نے عرب اسلامی دستور قرعہ اندازی کا سہارا لیا۔ اس باب قرعہ میں امامان سیرت و حدیث دونوں کی روایات واحادیث ہیں اور ان میں کافی مماثلت ہے اور تقدیم زمانی اول الذکر کو حاصل ہے۔ امام بخاری نے اسے کتاب الشہادات کے باب القرعة

فی المشکلات میں حدیث: ۲۶۸۷ میں حضرت ام العلاء انصاریہؓ کی سند سے بیان کیا ہے: ”... أن عثمان بن مظعون طار له سهمه فی السکنیٰ حین اقترعت الانصار سکنی المهاجرین، قالت ام العلاء، فسکن عندنا عثمان بن مظعون... الخ“۔ شارح عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں صرف یہ لکھا ہے کہ مہاجرین جب مدینہ آئے تو ان کے پاس مکانات نہ تھے تو انصار نے ان کے رہنے کے لیے قرعہ اندازی کی اور حضرت عثمان بن مظعونؓ، حضرت ام العلاءؓ کے حصہ میں آئے: ”ومعنی ذلك ان المهاجرین لما دخلوا المدینة لم یکن لهم مساکن، فاقترع الانصار فی انزالهم، فصار عثمان بن مظعون لآل ام العلاء فنزل فیهم......“ (بخاری/ فتح الباری، ۵/ ۳۶۰-۳۶۲) اس کا اولین طرف بخاری: ۱۲۴۳ میں اسی کی تصدیق ہے: ......انه اقتسم المهاجرون قرعة فطار لنا عثمان بن مظعون فانزلناه فی ابیاتنا...... الخ“۔

اس شرح حافظ میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ وہ معنی تو حدیث بخاری میں موجود ہیں، امام حدیث کی یہ حدیث ایک نئی قیمتی جہت قرعہ اندازی بتانے کے علاوہ یہ وضاحت کرتی ہے کہ مہاجرین مکہ کے قیام وطعام اور مدارات کے لیے اوس وخزرج کے آسودہ حال اکابر نے قرعہ اندازی کی تھی ورنہ عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مہاجرین مکہ اپنی پسند اور رضا سے قدیم تعلقات وروابط کی وجہ سے خود اپنے مدنی میزبانوں کا انتخاب کرتے تھے۔ ان دونوں احادیث بخاری اور اس سے قبل اولین: حدیث: ۱۲۴۳ کے پانچ مزید اطراف ہیں جن میں سے حدیث: ۲۶۸۷ کا اوپر حوالہ آچکا ہے۔ دوسرے اطراف ہیں: ۳۹۲۹، ۷۰۰۳، ۷۰۰۴، ۷۰۱۸، حافظ عسقلانی نے اولین واصل حدیث بخاری: ۱۲۴۳ کی شرح میں وہی لکھا ہے: والمعنی ان الانصار اقترعوا علیٰ سکنی المهاجرین لما دخلوا علیهم المدینة“۔ اس شرح ومتن حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون جمحیؓ اور ان کے ساتھی قرعہ اندازی کے ذریعہ انصار کے مختلف گھروں (ابیات/ مساکن) میں مہمان بنائے گئے تھے۔ اس کی سند امام ہے: حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب عن الزهری قال: حدثنی خارجة بن زید الانصاری ان ام العلاء امراة من نسائهم...... اخبرته“ (بخاری/ فتح الباری، ۳/ ۱۴۷-۱۴۹، ۵/ ۳۶۰-۳۶۲، اصل حدیث بخاری: ۱۲۴۳ کی سند: ”حدثنا یحییٰ بن بکیر حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شهاب قال اخبرنی خارجة بن زید بن ثابت

ان ام العلاء امراۃ من الانصار بایعت النبی ﷺ اخبرته انه اقتسم......الخ")

امام سیرت ابن سعد نے اپنے استاد امام واقدی کی روایت ان کی سند سے حضرت ام العلاءؓ سے نقل کی ہے جس میں قرعہ اندازی کا ذکر ہے: "نزل رسول الله ﷺ والمهاجرون معه المدينة فى الهجرة فتشاحت الانصار فيهم ان ينزلو هم فى منازلهم حتى اقترعوا عليهم، فطار لنا عثمان بن مظعون على القرعة، تعنى وقع فى سهمها"۔ امام ابن سعد نے اپنے استاد امام کی دو مزید اور جدا جدا سندوں سے حضرت ام العلاء سے حضرت عثمان بن مظعونؓ کے بارے میں دو روایات نقل کی ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ وہ ہمارے گھر میں بیمار ہو کر فوت ہوئے، باقی حدیث بخاری کی مانند ہے۔ اس میں قرعہ اندازی والا جملہ نہیں ہے۔ کتاب النساء میں تذکرہ نساء بنی مالك بن النجار/خزرج میں حضرت ام العلاء انصاریہ کے تذکرہ میں مزید صراحت قرعہ کی ہے: "اسلمت وبايعت رسول الله ﷺ وروت عنه، وهى التى قالت ان الانصار تنافسوا فى المهاجرين حتى اقترعوا عليهم فطار لنا فى القرعة عثمان بن مظعون، و شهدت ام العلاء مع رسول الله ﷺ خيبر"۔ (ابن سعد، ۳/ ۲۱۱-۲۱۳ و مابعد؛ ۸/ ۴۶۱۔ اول سند واقدی وابن سعد ہے: محمد بن عمر قال: اخبرنا معمر بن الزهرى عن خارجة بن زيد بن ثابت عن ام العلاء قالت......)

دوسری حدیث واقدی کی دو اسناد ہیں:

۱۔ اخبرنا محمد بن عمر قال: حدثنى معمر عن الزهرى عن خارجة بن زيد عن ام العلاء، امراة من نسائهم۔

۲۔ قال: واخبرنا مالك بن اسماعيل ابو غسان عن ابراهيم بن سعد قال: اخبرنا ابن شهاب عن خارجة بن زيد عن ام العلاء امراة من نسائهم، قد كانت بايعت رسول الله ﷺ و ذكرت ان عثمان بن مظعون اشتكى عندهم... الخ۔ یہ تمام اسناد بہت واضح ہیں۔

(جاری)

مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور علم رجال

☆ڈاکٹر محمد صہیب

حدیث کی تاریخ نے جن ہندوستانی علما کی خدمات کو جلی حروف میں درج کیا ہے، ان میں محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی (۱۹۰۱۔۱۹۹۲) بھی ہیں۔ علامہ الاعظمی کے کارنامے متعدد اسلامی علوم پر مشتمل ہیں لیکن حدیث سے ان کو خاص شغف تھا۔ حدیث کے کئی جلیل القدر مجموعے نظروں سے دور، کتب خانوں میں محصور تھے، علامہ الاعظمی نے ان خزانوں کو دریافت کیا، انھیں اپنی تحقیق و تعلیق سے سجایا سنوارا اور وقف عام کردیا۔ حدیث کی یہ کتابیں کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ ارباب نظر علامہ الاعظمی کی زندگی ہی میں علم حدیث کی تاریخ کو ان کے حوالے کے بغیر نامکمل تصور کرنے لگے تھے، حقیقت بھی یہی ہے۔

مولانا اعظمی کو فن رجال سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ ان کا مطالعہ اس قدر وسیع اور تنقیدی شعور اتنا راسخ ہے کہ ہیثمی جیسے محدث سے بھی دلائل کی روشنی میں اختلاف کرتے نظر آتے ہیں اور ناقدین حدیث پر بھی استدراک کرتے ہیں۔

یہاں یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ قدیم محدثین نے فن رجال کو ایسی رفعت عطا کی کہ آنے والوں کے لیے اضافہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ ابن خلدون کے لفظوں میں:

> ”ائمۂ حدیث جن کی تعداد بھی کثیر ہے، جن کے زمانے بھی آپس میں ملے ہوئے ہیں، اور جو حدیث کی تلاش و تحقیق میں اپنی کوششوں کی آخری حد کو پہنچے ہوئے ہیں، ان سے کوئی حدیث چھوٹ جائے اور بعد کے لوگ اس کی بازیافت کریں، یہ بعید ہے۔ عہد حاضر میں بس یہی ہوسکتا ہے کہ امہات کتب کی تصحیح کی

☆الہ آباد۔

طرف توجہ کی جائے، روایات کو ان کے مصنّفین کے ساتھ یادرکھا جائے اور یہ دیکھ لیا
جائے کہ ان احادیث کی سندیں ان کے مؤلفین تک پہنچ رہی ہیں کہ نہیں"۔(۱)

رجال سے متعلق علامہ کی خدمات کے متنوع اور طویل سلسلے کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(الف) رواۃ حدیث پر تصنیفات۔(ب) رجال پر لکھی گئی کتابوں کی تحقیق و تدوین۔
(ج) حدیث کے مجموعوں پر تعلیق کے دوران رجال پر کلام۔(د) استدراکات۔(ہ) مضامین ومقالات۔

(الف): "الحاوی علی رجال الطحاوی" یہ مولانا کی اولین تصنیف ہے۔اس کتاب میں امام طحاوی (۲۳۹-۳۲۱ہجری) کی شہرۂ آفاق تصانیف، "مشکل الآثار" اور "معانی الآثار" کے رجال کے حالات لکھے ہیں۔"معانی الآثار" کے رجال پر تو کتابیں موجود تھیں جیسے "مغانی الاخیار فی رجال معانی الآثار" (علامہ بدرالدین عینی) "الایثار برجال معانی الآثار" (قاسم بن قطلوبغا) اور "تراجم الاحبار من رجال معانی الآثار" (علامہ محمد ایوب مظاہری) وغیرہ، لیکن "مشکل الآثار" کے رجال کے تذکرے کتابی شکل میں اس سے پہلے نہیں ملتے۔

مولانا نے شباب کے ابتدائی دور ہی میں "الحاوی" کی تصنیف کا منصوبہ بنایا تھا، "مشکل الآثار" اور "معانی الآثار" کے رجال کے حالات جمع کرنے شروع کردیے تھے۔یہ کتاب محض ۲۹ برس کی عمر میں ۱۳۴۸ہجری میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔انہوں نے "الحاوی" کا مادۂ تاریخ "انه واللہ تصنیف شریف ۱۳۴۸ھ" نکالا ہے۔

یہاں مولانا کی ایک تحریر سے "الحاوی" پر ان کے کام کی نوعیت کا اشارہ ملتا ہے، لکھتے ہیں:

> "حقیر راقم الحروف نے اس کتاب میں "مشکل الآثار" اور "معانی الآثار" دونوں کے رجال جمع کیے ہیں اور بقدر امکان پوری تحقیق سے ان کے حالات لکھے ہیں، نیز دونوں کتابوں میں اسماء الرجال میں جو تحریفات وتصحیفات ہوئی ہیں، ان کی تصحیح میں بھی بہت کاوش کی ہے۔اب تک طبع نہیں ہوئی"۔(۲)

مولانا ابوالوفا افغانی کے نام ایک خط مورخہ ۱۱رشوال ۱۳۷۲ میں "الحاوی" کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''الحاوی'' پانچ چھ سو صفحات میں آئے گی، صحاح کے رجال کی بھی تخریج کی ہے، تاکہ معانی و مشکل کا کام ایک ہی کتاب سے چل جائے، نیز موجودہ دور میں اس فن سے عدم مناسبت کا لحاظ کرتے ہوئے ایسا کرنا مناسب معلوم ہوا۔''(۳)

''الحاوی کو ایک صدی ہونے کو ہے، لیکن طباعت اس کا مقدر نہ ہوئی۔ مولانا کا وہ جملہ ''اب تک طبع نہ ہوئی'' اس وقت بھی دہرانا پڑ رہا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ مولانا کی لائبریری مئو میں محفوظ ہے، متوسط کاپی سائز پر ہے، ۴۲۲ صفحے ہیں۔ ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی سے استفادہ کرتے ہوئے الحاوی کا تعارف اور چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

۱۔ اس کتاب کی ترتیب حروف تہجی کے طرز پر ہے۔ لیکن ایک حرف کے ضمن میں آنے والے راویوں کے تذکرے میں کوئی ترتیب قائم نہیں ہے۔

۲۔ دو طرح کے راویوں کا تذکرہ ہے۔ بڑی تعداد تو ایسے راویوں کی ہے جن سے صحاح ستہ کے مصنّفین نے روایت لی ہے اور دوسرے وہ رواۃ ہیں جن کی روایتیں ان مصنّفین کی کتابوں میں نہیں ہیں۔ دوسرے قسم کے جو راوی ہیں، ان میں سے اکثر کے نام سے پہلے ''ز'' لکھا ہوا ہے، جو غالباً زائد کی علامت ہے۔ پہلی قسم کے راویوں کے نام علامت سے خالی ہیں۔

۳۔ پہلی قسم کے جو راوی ہیں، ان کے حالات حافظ ابن حجر کی ''تقریب'' سے نقل کیے گئے ہیں اور اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ البتہ جو دوسری قسم کے راوی ہیں، ان کے حالات مختلف کتابوں کی ورق گردانی اور تتبع سے نقل کیے گیے ہیں۔

۴۔ اگر راوی کا نام ''شرح معانی الآثار'' میں ہے تو اس کے نام کے اوپر ''مع'' یا ''ع'' اور ''شرح مشکل الآثار'' میں ہے تو ''مش'' یا ''ش'' لکھ کر فرق کیا گیا ہے اور اگر دونوں میں ہے تو دونوں علامتوں کو جمع کیا گیا ہے۔ کہیں کہیں کوئی نام علامت سے خالی بھی ہے، اور بیشتر ناموں پر علامت کے ساتھ کتاب کا صفحہ و جلد نمبر بھی دیا گیا ہے۔

۵۔ اگر زیر تذکرہ راوی کی کوئی روایت علم حدیث کے مجموعے میں سے کسی میں مثلاً ابوداؤد طیالسی، مسند امام احمد، مستدرک حاکم اور سنن دارقطنی وغیرہ میں نظر سے گذری تو اس کا بھی وہ ذکر کرتے ہیں۔

۶۔ اگر کسی راوی کے نام ونسب یا ولدیت یا اس کی روایت والی سند میں کوئی غلطی یا تصحیف ہوئی ہے تو اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

۷۔ راوی کے متعلق کسی دوسری کتاب میں کوئی غلطی یا تصحیف پائی جاتی ہے تو اس غلطی کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں۔

۸۔ راوی کے جرح وتعدیل یا کسی اور تعلق سے کسی متقدم صاحب فن سے کوئی فروگذاشت ہوئی ہے تو اس پر متتنبہ کرتے ہیں۔

۹۔ راویوں کے متعلق ائمہ جرح وتعدیل کے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد حسب ضرورت فیصلہ بھی کرتے ہیں۔

۱۰۔ علامہ سندی کی ''کشف الاستار'' میں اگر کسی راوی کا تذکرہ غلطی سے رہ گیا ہے تو اھملہ السندی لکھ کر اس کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

۱۱۔ حاوی کی تصنیف کا کام تو ۱۳۴۸ ہجری میں پورا ہو چکا تھا، لیکن اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً بہت سے اضافے اس میں کیے گیے ہیں، ''کشف الاستار'' سے استفادہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اب بطور نمونہ الحاوی سے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

۱۔ عبداللہ بن جریر (ش: ۶۵/۲) صوابہ عندی عبید اللہ بن جریر بن عبداللہ البجلی، فانہ اباداود اخرج حدیثہ ھذا من طریق شعبۃ عن ابی اسحاق عن ابن جریر غیر مسمی، فذکرہ ابن حجر فی التقریب وقال: کانہ عبیداللہ۔ واخرج احمد ھذا الحدیث عن غندر عن شعبۃ عن ابی اسحاق عن عبیداللہ بن جریر: ج۴، ص ۳۶۴، فالحمد للہ۔

۲۔ عباد اللہ بن زیاد عن لقیط وعنہ ابو الولید (ش: ۳۲۲/۴) اخرج الحدیث الحاکم فی المستدرک۔ ۲/۶۰۷ عن عبدالملک بن عمیر عن ایاد بن لقیط عن ابی رمثۃ والفاظھما مختلفۃ، واخرجہ الدولابی مطولاً عن عبیداللہ بن ایاد بن لقیط عن ابیہ عن ابی رمثۃ، وھذا ھو الصواب عندی، وفی المشکل تصرفات شتی من النساخ، فانھم

صحفوا عبيد الله بن اياد عباد الله بن زياد، واسقطوا ابا رمثة من الاسناد، وجعلوا الحديث من رواية ابي لقيط۔ راجع الكنى ۲۹/۱۔

۳۔عكاشة بن وهب الصحابي [ع:۴۱۸/۱] هو من خطا بعض النساخ او اجتهاد بعض المصححين، والصواب عكاشة بن محصن۔ والذى اضطرهم الى ذالك قوله فى الرواية جدامة بنت وهب اخت عكاشة، فظنوا انه ايضًا ابن وهب، ولم يدروا انه اخ لها لامها فقط لا لابيها"۔(۴)

"الحاوی" کی تصنیف کے دوران مولانا کی جانسوزی کا اندازہ ان کی اور علامہ انور شاہ کشمیری کی ایک گفتگو سے لگایا جا سکتا ہے۔مولانا نے "الحاوی" کا کچھ حصہ علامہ انور شاہ کشمیری کے پاس نظر ثانی کے لئے بھیجا تھا لیکن اسی دوران علامہ کشمیری سخت بیمار پڑ گئے اور ڈابھیل سے دیو بند تشریف لائے،مولانا عیادت کے لیے دیو بند تشریف لے گئے،عصر کے بعد شاہ صاحب کے یہاں حاضری ہوئی،وہ چار پائی پر لیٹے ہوئے تھے،فرمایا: کہاں سے آنا ہوا؟ مولانا نے کہا اعظم گڈھ سے۔ شاہ صاحب نے فرمایا: وہ مولوی حبیب الرحمن اعظم گڑھی کون ہیں،جنھوں نے طحاوی کے رجال پر کام کیا ہے،علامہ اعظمی نے عرض کیا: خادم حاضر ہے۔ یہ سننا تھا کہ شاہ صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے،کن کن کتابوں سے آپ نے مدد لی ہے،فلاں کتاب کہاں سے اور کیسے دستیاب ہوئی؟ غرض کہ بہت تعجب کے لہجے میں اس طرح کے مختلف سوالات کرتے رہے،اس کے بعد فرمایا کہ پورا مسودہ لے کر ڈابھیل تشریف لایئے، انشاء اللہ ضرور نظر ثانی کروں گا۔لیکن افسوس کہ چند روز ہی گزرے ہوں گے کہ شاہ صاحب کی وفات ہوگئی۔(۵)

الحاوی کا کام پورا ہوگیا تو مولانا شبیر احمد عثمانی کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔انھوں نے مولانا کو بذریعۂ خط مورخہ ۹ ربیع الثانی ۱۳۴۸ ہجری یوں مبارک باد پیش کی:

"مشکل الآثار......تمام وکمال اور معانی الآثار کے معتد بہ حصے کے رجال قلمبند ہوجانے کی آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، بے حد خوشی ہوئی،حق تعالیٰ آپ کو ہمت اور ارادوں میں برکت دے اور خدمت سنت کی مزید توفیق بخشے"۔(۶)

مولانا عثمانی کو ''الحاوی'' کی اشاعت کا شدت سے انتظار تھا۔ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''کاش ''الحاوی'' چھپ جاتی تو ہم کو بھی اپنے کام میں مدد ملتی، حق تعالیٰ کوئی سامان فرما دیں، انشاءاللہ مناسب موقع پر کوشش ہوسکی تو دریغ نہ کروں گا''۔(۷)

رجال پر مولانا کی دوسری باقاعدہ تصنیف اردو میں ہے ''تعدیل رجال بخاری''۔ یہ کتاب مرزا عبدالحسین لکھنوی کی تصنیف ''رجال بخاری'' کے جواب میں لکھی گئی۔مرزا لکھنوی نے بخاری کے رواۃ پر کلام کیا اور بزعم خود انھیں درجۂ اعتبار سے ساقط قرار دیا۔مرزا صاحب کے لفظوں میں:

''عام طور سے صحاح ستہ بالخصوص صحیح بخاری کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ ان کی روایتیں صحیح السند ہیں اور ان کے رواۃ معتبر، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے اکثر راوی وہ حضرات ہیں جو کسی طرح قابل اعتبار نہیں ہوسکتے۔

اسی بنا پر ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کے رواۃ کے متعلق علم رجال وتاریخ کی بنا پر ایک تبصرہ تحریر کریں (۱ر۳)''۔(۸)

مرزا صاحب نے بخاری کے رواۃ کو مجروح کرنے کی کوشش تو کی ہی، لطف کی بات یہ ہے کہ بہت سے غیر متعلق افراد کو بھی وہ بخاری کا راوی سمجھ بیٹھے اور نتیجے میں ''صحیح بخاری'' کو بے وزن اور ناقابل اعتبار ٹھہرا دیا۔

مولانا اعظمی نے مرزا لکھنوی کی کتاب کے ایک ایک اشکال کا جواب دیا اور بتایا کہ یہ اعتراضات محض تنگ نظری پر مبنی مفروضات ہیں۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔مرزا نے ہر اس راوی کو جس پر رجال کی کتابوں میں ''بخ'' کی علامت ہے، صحیح بخاری کا راوی سمجھ لیا ہے۔ جیسے ازہر بن سعد سمان، بشر بن رافع، حماد بن ابی سلیمان وغیرہ، مرزا صاحب نے دلیل کے طور پر تقریب کا حوالہ دیا ہے۔

علامہ اعظمی نے اس پر لکھا کہ:

''یہ کھلا ہوا فریب ہے۔بخ صحیح بخاری کی علامت نہیں ہے۔ بلکہ ''ادب مفرد'' کی علامت ہے۔مصنف رسالہ نے جس کتاب سے یہ علامت نقل کی، اس میں خود اس علامت کی یہی تشریح لکھی ہے (دیکھو تقریب:ص۴)''۔(۹)

۲۔مرزا نے شمر بن ذی الجوشن قاتل حسینؓ کو بخاری کا راوی بتایا۔

مولانا نے تقریب، تہذیب اور خلاصہ کے حوالہ سے اس کی تردید کی اور ثابت کیا ہے کہ کہیں بھی شمر بن ذی الجوشن نام کا کوئی راوی نہیں ہے۔شمر ضرور ہے لیکن یہ ’’شمر بن عطیہ‘‘ ہے۔مولانا لکھتے ہیں کہ:

’’کتاب صحاح میں سے فقط ترمذی میں شمر نام کے ایک راوی کی روایت ہے مگر وہ شمر بن ذی الجوشن نہیں ہے بلکہ شمر بن عطیہ (ہے۔)،اس کے سوا کسی دوسرے شمر کی روایت ہی نہیں ہے۔مصنف رسالہ نے قرۃ العینین کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں شمر بن ذی الجوشن کا ذکر نہیں ہے فقط شمر ہے۔لہٰذا یہ بڑی بے ایمانی ہے کہ شمر سے شمر بن ذی الجوشن مراد لے کر اس کو صحیحین کا راوی بنا دیا جائے۔شمر بن ذی الجوشن کی نسبت مصنف رسالہ علامہ ذہبی کا فیصلہ خود نقل کرتا ہے کہ ’’وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس سے روایت لی جائے‘‘ اور ہمارے محدثین نے ایسا ہی کیا کہ شمر بن ذی الجوشن سے کوئی روایت نہیں لی‘‘۔(۱۰)

۳۔مرزا نے حجاج کو بخاری کا راوی شمار کیا ہے اور دلیل میں ’’تعجيل المنفعة‘‘ کی عبارت نقل کی ہے۔

مولانا نے ’’تعجيل المنفعة‘‘ کے حوالے ہی سے مرزا صاحب کی تغلیط کی ہے کہ بخاری اور مسلم کیا! صحاح میں سے کسی میں بھی حجاج کی روایت نہیں ملتی۔اس سلسلے میں مولانا کا ایک طویل اقتباس پیش خدمت ہے۔

’’حقیقت واقعہ یہ ہے کہ حجاج سے کوئی روایت کتب صحاح میں نہیں لی گئی ہے یعنی اس کے واسطے سے کوئی حدیث نبویؐ نقل نہیں کی گئی ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ کہیں کہیں ردوانکار اور تغلیط وابطال کے لیے اس کا کلام اور اس کا ذکر آ گیا ہے،مثلاً حجاج کا خیال تھا کہ سورۃ البقرہ اور سورۂ آل عمران کہنا جائز نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ سورہ جس میں بقرہ کا ذکر ہے، یا وہ سورہ جس میں آل عمران کا تذکرہ ہے، اعمش نے ایک دفعہ اس کو یونہی کہتے سنا تو اپنے استاذ ابراہیم سے اس کا ذکر کیا،ابراہیم

نے اس پر ابن مسعود کی ایک حدیث بیان کی جس میں ابن مسعود نے سورۃ البقرہ کو اس عنوان سے ذکر نہیں کیا تھا، جس عنوان سے حجاج ذکر کرتا تھا بلکہ سورۃ البقرہ ہی کہا تھا۔ ابراہیم کا مقصد یہ ہے کہ حجاج کا خیال غلط ہے۔ ابن مسعودؓ صحابی رسولؐ اس سورہ کو سورۃ البقرہ ہی کہتے تھے۔ امام بخاری نے یہی واقعہ کتاب الحج میں نقل کیا ہے۔ اب انصاف سے کہیے کہ کیا یہ حجاج سے حدیث کی روایت ہوئی یا حجاج کے خیال کی تغلیط کے لیے اس کا ایک مقولہ نقل کرنا۔(۱۱)

(ب):اس حصے میں رجال کی ان کتابوں کا تذکرہ ہے جو محدث اعظمی کی تحقیق وتدوین کا نتیجہ ہیں۔ یہ دو کتابیں ہیں ''کتاب الثقات'' اور ''تلخیص خواتم جامع الاصول''۔

''کتاب الثقات'' ابن شاہین (۲۹۷-۳۸۵ ہجری) کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں ان راویوں کا تذکرہ ہے، جن کی ثقاہت وعدالت ثابت ہے اور شہرت کو پہنچی ہوئی ہے۔

''کتاب الثقات'' کا قلمی نسخہ مولانا اعظمی کو جامع مسجد بمبئی میں ملا تھا، قاضی اطہر مبارکپوری سے اس کی نقل تیار کرائی، جب اس مخطوطے کا ایک نسخہ تیار ہوگیا تو قاضی اطہر مبارکپوری اور مولانا محمد عثمان معروفی نے مل کر اصل سے موازنہ کیا۔ مولانا نے خود بھی اس نسخے کو اصل سے ایک ایک حرف ملایا اور پوری طرح اطمینان کر لینے کے بعد اس کی تحقیق وتصحیح کا کام شروع کیا۔ مولانا محمد موسیٰ میاں کے نام ایک خط میں ''کتاب الثقات'' کا مختصر تعارف کراتے ہوئے بتاتے ہیں کہ:

''میں اپنی کتاب ''اعیان الحجاج'' کا دوسرا حصہ اکثر وبیشتر لکھ چکا تھا کہ بمبئی و حیدرآباد کا سفر پیش آ گیا، اس سفر میں ایک قیمتی اور بہت قدیم ''کتاب الثقات لابن شاہین'' المتوفی ۳۸۵ ہجری دستیاب ہوئی۔ اور میں نے اس کو نہایت تندہی سے نقل کرالیا، نقل کے بعد حرفاً حرفاً خود اصل سے مقابلہ کر کے ساتھ لایا، اس وقت اسی کی تصحیح وتعلیق کے کام میں لگا ہوا ہوں، رواۃ کے تراجم اس میں بہت مختصر ہیں، مگر چوٹی کے ناقدین امام احمد وامام ابن معین وغیرہما کے اقوال سے جن راویوں کی توثیق ثابت ہے، ان کا ذکر کر کے موثّق کا قول کبھی سند کے ساتھ اور کبھی بلا ذکر سند نقل کر دیتے ہیں۔ لمبی تختی (تقطیع) کے ایک سو پندرہ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحے

میں ۲۰ یا ۲۵ راویوں کا ذکر ہے''۔(۱۲)

مولانا محمد موسیٰ کے نام ایک اور خط میں محدث ''الثقات'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''کتاب الثقات'' اور ''مسند حمیدی'' دونوں کے شروع میں صاحب نسخہ کی سند موجود ہے اور حمیدی سے ''مسند'' اور ابن شاہین سے ''ثقات'' کو روایت کرنے والے راویوں کے جو نام مذکور ہیں، وہ معروف ہیں، پھر میں نے ''ثقات'' کے حواشی میں جگہ جگہ یہ بتا دیا ہے کہ ان ان مقامات کے حوالے حافظ ابن حجر وغیرہ نے دیے ہیں۔ان حوالوں سے بھی کتاب کی نسبت صحیح ثابت ہوتی ہے، اور حمیدی کی حدیثوں کو بھی صحیح بخاری اور سنن بیہقی وغیرہ سے متعدد مقامات میں ملا کر اطمینان کر لیا ہے............اس خط کے آخری صفحے پر برخوردار مولوی رشید احمد کے قلم سے ''کتاب الثقات'' کی چند سطریں اور سرخ لکیر کے نیچے اپنے تعلیقات و حواشی کا نمونہ بھیج رہا ہوں، تا کہ اس کتاب کے ساتھ برخوردار مذکور کے خط کا نمونہ بھی آپ دیکھ لیں، کتاب الثقات کے حاشیے پر راویوں کے نام میں نے لکھے ہیں اور ناموں کے اوپر تقریب وغیرہ کے مطابق اصحاب صحاح کی کتابوں کے رموز بھی دے دیے ہیں، تا کہ سرسری نظر میں جس راوی کی تلاش ہو مل جائے، اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ اصحاب صحاح کا راوی ہے یا نہیں اور ہے تو کس کتاب کا۔جو راوی ان کتابوں کے رجال میں سے نہیں ہے، اس کے نام پر حرف ''ز'' (زوائد) کی علامت درج ہے۔(۱۳)

۱۹۵۹ میں ''کتاب الثقات'' کی تصحیح و تحقیق کا کام مکمل ہو گیا تھا۔اب اس کی اشاعت کا انتظار تھا، ۱۰ مارچ ۱۹۵۹ کو قاضی اطہر مبارکپوری کو لکھتے ہیں:

> ''کتاب الثقات کا کام مکمل ہو گیا، اب اس کی اشاعت کا سوال درپیش ہے''۔(۱۵)

افسوس کہ اب بھی یعنی ۲۰۱۹ میں ''کتاب الثقات'' کی اشاعت کا سوال درپیش ہے۔اس کا قلمی نسخہ محدث اعظمی لائبریری مئو میں اچھی حالت میں محفوظ ہے۔

کتاب الثقات کی تحقیق مولانا کے علاوہ دو محققین نے اور بھی کی ہے، ایک شیخ صبحی سامرائی ہیں، جن کی تحقیق سے ''کتاب الثقات'' پہلی بار ۱۹۸۴ میں الدار السّلفیہ کویت سے شائع ہوئی۔اور

دوسرے فاضل محقق قاضی اطہر مبارکپوری ہیں، جن کی تحقیق سے ''الثقات'' شرف الدین الکتبی و اولادہٗ بمبئی سے ۱۹۸۶ میں شائع ہوئی۔

ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی نے ''الثقات'' پر مولانا اعظمی کی تحقیق و تعلیق کا تجزیہ کرتے ہوئے دوسرے دونوں محققین سے موازنہ کیا ہے اور داخلی شہادتوں کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے کہ ان دونوں کے بالمقابل محدث اعظمی کا اسلوب تعلیق منفرد ہے، اس طرح الثقات کا زیر بحث نسخہ دوسرے دونوں نسخوں سے زیادہ مفید ہے۔ مولانا کے تعلیقات میں مندرجہ ذیل امور کارفرما ہیں:

۱۔ راویوں کے نام یا کتاب کی عبارتوں میں اگر کہیں کوئی تصحیف یا غلطی ہے، تو اس کی تصحیح۔

۲۔ ابن شاہین نے راوی کی توثیق و تعدیل کے لیے جس امام جرح و تعدیل مثلاً ابن معین یا احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے، اگر اس راوی کے متعلق اس فن کی دوسری کسی کتاب میں اسی ماہر فن کا کوئی قول مذکور ہوتا ہے، تو اس کے حوالے سے اس قول کو نقل کر کے سند فراہم کی جاتی ہے۔

۳۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ابن شاہین کے حوالے سے ''کتاب الثقات'' میں مذکور راوی کے متعلق کوئی قول نقل کیا ہے تو مولانا نے تہذیب سے اس کا موازنہ کیا ہے، اگر تہذیب میں بعینہٖ وہی کلام ہے جو ثقات میں ہے، تو اس کا حوالہ دے دیتے ہیں، لیکن اگر کچھ اختلاف ہے، تو اس پر متنبہ کرتے ہیں۔

۴۔ اگر کہیں متن یا مصنف کی عبارت میں ابہام یا ژولیدگی ہے، تو اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

۵۔ بعض مقامات پر راوی کا صرف نام ہے، مگر اس نام کے دیگر راوی بھی ہیں، جس کی وجہ سے تعیین مشکل ہے، مولانا نے حاشیے میں نسبت وغیرہ کے حوالے سے اس راوی کی تعیین کر دی ہے۔

اب چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ متن میں جو نام آئے ہیں اگر نسخہ نویس سے یا کسی اور وجہ سے اس میں کہیں غلطی ہو گئی ہے تو مولانا اس کی تصحیح کرتے ہیں، مثال کے طور پر:

(الف) وقال ابن معین: اسماعیل بن مسلم العبدی ثقة، وھو بصری، روی عنه ابن معین۔

متن کے آخر میں جو ابن معین ہے مولانا نے اس کو قلم زد کر کے ابن مہدی بنا دیا اور اس پر یہ

حاشیہ رقم کیا۔

فی الاصل ابن معین، وھو خطأ عقلا و نقلا، والصواب ابن مھدی فانہ یروی عنہ کما فی التھذیب و الجرح والتعدیل۔

جبکہ دوسرے دونوں محققین یعنی شیخ صبحی سامرائی اور قاضی اطہر مبارکپوری کے یہاں اس سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔

۲۔(الف) وقال ابن معین: ابوبدر شجاع بن مخلد اعرفہ لیس بہ باس الخ۔

اس پر قاضی اطہر مبارکپوری کی تعلیق یہ ہے:

وفی التھذیب۴: ۳۱۲ شجاع بن مخلد الفلاس، ابو الفضل البغوی نزیل بغداد.

قال ابن معین: اعرفہ لیس بہ باس، نعم الشیخ ثقۃ۔

اور شیخ سامرائی نے لکھا ہے:

شجاع بن مخلد الفلاس ابو الفضل البغوی نزیل بغداد۔ قال الحافظ:

صدوق/مد ق۔ الجرح والتعدیل: ۳۷۹/۴، تقریب: ۳۴۷/۱۔

لیکن مولانا کی تعلیق ان دونوں فاضلوں سے مختلف ہے، مولانا لکھتے ہیں کہ شجاع بن مخلد کی کنیت ابوالفضل ہے، جیسا کہ الجرح والتعدیل اور تہذیب وغیرہ میں ہے، اور ابوبدر جس راوی کی کنیت ہے، اس کا نام شجاع بن الولید ہے، اس لیے اگر قلمی نسخے کی صحت پر اعتماد کیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ابن معین سے اس میں وہم ہوا ہے۔

شجاع بن مخلد یکنی اباالفضل کما فی کتاب ابن ابی حاتم والتھذیب وغیرھما، واما الذی یکنی ابابدر فاسمہ شجاع بن الولید، فان نعتمد علی الأصل فلا شك ان ابن معین وھم فیہ۔

۳۔(ھ) غریف بن درھم التیمی، روی عنہ وکیع، وقال: کان ثقۃ۔

اس پر دونوں فاضل محققین کی کوئی تعلیق نہیں ہے، لیکن مولانا نے حاشیہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ ”غریف“ غ معجمہ سے نہیں بلکہ ”عریف“ ع مہملہ سے ہے اور ”غریف“ لکھنا ہمارے مصنف ابن شاہین کی غلطی ہے؛ مولانا کو حافظ ابن حجر پر تعجب ہے کہ انھوں نے ”لسان المیزان“ میں ان کا

تذکرہ تو کیا ہے، لیکن ان کے سلسلے میں جو تعدیل وتوثیق کے اقوال ہیں، ان کو نقل نہیں کیا۔ مولانا کی تحریر ملاحظہ ہو:

"ذکرہ ابن ابی حاتم فی العین المھملة فقال : عریف بن درھم الجمال الکوفی ابوھریرة......روی عنه وکیع ومروان بن معاویة وابونعیم ثم قال: سالت ابی عن عریف بن درھم الھمدانی، فقال: ھو صالح الحدیث لاباس به۔ حدثنا ابونعیم عنه۔ وذکرہ ابن حجر ایضاً فی اللسان فی العین المھملة، وکذا العقیلی کما حکاہ ابن حجر، والبخاری فی الواحد من العین المھملة۔ فثبت ان ذکر ابن شاھین ایاہ فی الغین المعجمة وھم منه۔ والعجب من الحافظ انه لم یذکر فی اللسان ما قیل فی توثیقه وتعدیله ۔(۱۵)

حدیث کے امام اور فقہ کے مرجع ابن اثیر جزری (۵۴۴-۶۰۶ ہجری) کی ایک بہت مشہور کتاب "جامع الاصول من احادیث الرسول" ہے۔ اس میں صحاح ستہ کی حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے، مشکل الفاظ کی تشریح ہے، راویوں کا تعارف بھی ہے اور دوسرے متعلقات فن بھی بیان کیے گئے ہیں، اس طرح یہ کتاب گویا صحاح ستہ کی شرح ہے۔(۱۶)

"جامع الاصول من احادیث الرسول" تین حصوں پر مشتمل ہے: ۱۔مبادی، اس میں اصول حدیث کا بیان ہے۔ ۲۔مقاصد، اس میں احادیث جمع کی گئی ہیں۔ ۳۔خواتم، یہ حصہ رجال سے متعلق ہے۔

محدث علامہ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ ہجری نے، جامع الاصول کے تیسرے حصے "خواتم" جس میں صحاح ستہ کے راویوں کے ساتھ دوسرے لوگوں کا بھی سرسری تعارف ہے، کی تلخیص کی ہے۔ شیخ محمد نور ولی نے اس تلخیص کی اشاعت کا ارادہ کیا اور مولانا سے اس کی تصحیح و تحقیق کی درخواست کی، جسے انہوں نے منظور کرلیا۔

مولانا نے رضا لائبریری رامپور، خدابخش لائبریری پٹنہ، کتب خانہ ندوۃ العلما لکھنو اور مولف کے وطن پٹن سے اس کتاب کے نسخے حاصل کیے اور انھیں کی بنیاد پر اس کی تحقیق وتصحیح کی اور

اس پر حاشیے لکھے۔

طاہر پٹنی کی اس کتاب کے جتنے بھی نسخے تھے، ان پر کتاب کا نام درج نہیں تھا، کسی نسخے میں کاتب کے قلم سے ''تم كتاب التوسل'' رقم تھا، تو خدا بخش کے نسخے میں هذه نسخة في اسماء جامع الصحاح لکھا ہوا ملا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ علامہ پٹنی نے اپنی کتاب کا باقاعدہ کوئی نام نہیں رکھا تھا۔ مولانا نے اس کتاب کا نام بھی رکھا، چونکہ علامہ پٹنی نے ''خواتم'' کا اختصار کیا ہے، اس لیے مولانا نے اس کی رعایت سے نام ''تلخیص خواتم جامع الاصول'' رکھا۔

''تلخيص خواتم جامع الاصول'' مولانا کا عظیم کارنامہ ہے۔ ۱۳۹۵ ہجری میں یہ کتاب شائع ہوئی۔

'تلخيص خواتم جامع الاصول'' سے تین مثالیں پیش خدمت ہیں۔

۱۔ص ۳۲: ...... و كتب عنه شيخه أبو القاسم الأزرى وشيخه أبو بكر الخوارزمى البرقاني......الخ

اصل اور عکسی نسخے میں ابوبکر کے بجائے 'ابوعمرو' تھا، مولانا کی نگاہ یہاں ٹھٹک گئی کہ برقانی کی کنیت تو ابوبکر ہے، 'ابوعمرو'؟ مولانا نے اس کی تصحیح کردی اور 'شیخہ ابوبکر' تحریر کیا اور پھر جب جامع الاصول میں دیکھا تو ویسا ہی پایا جیسا کہ انھوں نے اصلاح کی تھی۔

۲۔ مولانا نے متن میں اضافے بھی کیے ہیں، مثال کے طور پر ص ۷۷ پر ایک جگہ متن میں ''هو أبو عبد الرحمن جبير بن نفير الحضرمى'' ہے۔

مولانا نے اس پر اضافہ کیا (من كبار تابعي أهل الشام، ذكره الطبرى فى طبقات الفقهاء) یعنی ابوعبدالرحمن جبیر بن نفیر الحضرمی شام کے اجلۂ تابعین میں سے ہیں، طبری نے طبقات الفقہاء میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ علامہ نے اپنی عبارت کو بین القوسین رکھا ہے تا کہ ان کی عبارت اور متن میں امتیاز ہوجائے۔

۳۔ص ۱۴۸ – هو زياد بن أبي الجعد رافع الأشجعي، وهو أخو سالم وعبيد وعبد الله، روى عن وابصة بن معبد وعمرو بن الحارث، روى عنه [ابنه] رافع الخ۔ (۱۶)

اصل نسخوں میں روی عنہ اور رافع کے درمیان کی عبارت مٹی ہوئی تھی، مولانا نے تہذیب

التہذیب اور جامع الاصول کے حوالے سے 'روی عنہ' اور 'رافع' کے درمیان (ابنہ) کا اضافہ کیا۔

(ج) حدیث کے نادر مجموعوں کی تلاش اور ان کو صحیح ترین شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرنا ہی مولانا کی زندگی کا مقصد تھا۔ ''انتقاء الترغیب والترہیب''، ''مسند حمیدی''، ''کتاب الزہد والرقائق''، ''سنن سعید بن منصور''، ''مجمع بحار الانوار''، ''مصنف عبدالرزاق''، ''المطالب العالیۃ''، ''کشف الاستار''، ''فتح المغیث'' اور ''مصنف ابن ابی شیبہ'' جیسے مجموعہائے حدیث ان کی محنت کا ثمرہ ہیں۔ ان پر مولانا کے وقیع حاشیے بھی ہیں۔

ہزاروں صفحات پر مشتمل مولانا کے ان تعلیقات سے چند ایسی مثالیں نقل کی جاتی ہیں، جن کا تعلق ہمارے موضوع سے ہے، یعنی جہاں وہ سند کی تصحیح، راوی کی تعیین، رجال کا تعارف کراتے ہوئے نظر آتے ہیں:

۱۔ مصنَّف عبدالرزاق: ح:۱۱۵ ''عبد الرزاق عن أبي بكر بن محمد بن أبي سبرة عن يحيى بن سعيد'' ہے۔

اصل نسخہ میں عبارت اس طرح تھی: ''عبد الرزاق عن أبي بكر بن محمد بن أبي ميسرة۔'' (۱۸)

مولانا نے متن میں 'أبي ميسرة' کی جگہ 'أبي سبرة' لکھ دیا، پھر جب ظاہریہ کا نسخہ دیکھا تو اس کی تائید ہوگئی، مولانا نے اس راوی کا مختصر تعارف بھی کرایا کہ یہ ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ ہیں، تہذیب میں ان کا تذکرہ ہے، یہاں دادا کی جانب منسوب ہیں، یحییٰ بن سعید الانصاری سے روایت کرتے ہیں اور ان سے عبدالرزاق روایت کرتے ہیں۔

۲۔ مسند حمیدی: ح ۲۰۴۔ ''حدثنا الحميدي قال: ثنا عبدالعزيز ابن محمد الدراوردي قال: أخبرني علقمة عن أمه'' الخ۔ (۱۹)

مولانا نے یہاں دو حاشیے دیے، ایک 'علقمہ' پر، دوسرا 'عن امہ' پر: پہلے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک علقمہ سے مراد علقمہ بن ابی علقمہ المدنی قاضی مدینہ ہیں، ان کے والد کا نام بلال ہے۔

دوسرے حاشیے میں فرماتے ہیں کہ جامع الاصول میں 'عن امہ' کے بجائے 'عن ابیہ' ہے، لیکن میرے نزدیک درست 'عن امہ' ہے، پھر علقمہ کی والدہ کا تعارف کراتے ہیں کہ ان کا نام مرجانہ

ہے، حضرت عائشہ سے روایت کرتی ہیں اور ان سے ان کے صاحبزادے علقمہ روایت کرتے ہیں جیسا کہ تہذیب وغیرہ میں ہے۔ مولانا نے یہ اور اس سے پہلے والی تعلیق اپنے حافظہ سے لکھی تھی لیکن جب طحاوی میں دیکھا تو ویسا ہی پایا۔

۳۔ المطالب العالیہ، ح: ۴۲۲۲ - يزيد بن أبي حبيب، أن أبا الخير أخبره أن رجلاً من جهينة الخ۔ (۲۰)

جہینہ کا ایک شخص کون ہے؟ مولانا نے اس کی وضاحت کی کہ "رجلاً من جهينة" سے مراد ابوعبدالرحمن الجہنی ہیں۔

(د) مولانا کے محدثانہ کارناموں کا انتہائی اہم حصہ ان کے وہ استدراکات ہیں، جو انھوں نے دوسروں کی تحقیق و تعلیق پر لکھے ہیں۔ یہ تحریریں بڑی وقیع ہیں۔

مسند امام احمد بن حنبل (تشریح و تحقیق علامہ احمد محمد شاکر)، تهذيب التهذيب (حافظ ابن حجر، مطبوعہ حیدرآباد، ۱۳۲۵)، تعجيل المنفعة (حافظ ابن حجر، مطبوعہ حیدرآباد)، الرفع والتكميل (علامہ عبدالحی فرنگی محلی، تحقیق شیخ ابوغدہ)، تثقيف اللسان و تلقيح الجنان (ابوحفص عمر بن خلف مکی، تحقیق عبدالعزیز مطر)، شرح تحفة الاحوذی (مولانا عبدالرحمن مبارکپوری)، العلل (ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر، تحقیق ڈاکٹر مصطفی الاعظمی)، تاج العروس (مرتضی زبیدی بلگرامی، مطبوعہ کویت) کے نام بطور اشارے درج کیے گئے ہیں ورنہ ان کتابوں کی فہرست بہت طویل ہے، جن پر مولانا کے استدراکات ہیں۔

مولانا کے استدراکات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ مثال کے طور پر مسند امام احمد بن حنبل پر جو استدراکات لکھے تھے، علامہ احمد محمد شاکر مصری نے ان کو مسند احمد بن حنبل کی پندرھویں جلد میں مولانا کے شکریہ کے ساتھ شائع کیا۔ جو شائع نہ ہو سکے ان کو مولانا کے صاحبزادے مولانا رشید احمد الاعظمی نے مولانا اعجاز احمد اعظمی اور ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی کی جمع و ترتیب کے ساتھ مجلہ "المآثر" کے اشاعتی سلسلے میں شامل کر لیا، اس طرح ان استدراکات کا فیضان بھی عام ہوا۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ مسند احمد، ح: ۴۹۹۳، حدثنا يزيد عن حجاج عن عبدالملك بن المغيرة الطائفي عن عبدالله بن المقدام الخ۔ (۲۱)

اس سند میں عبداللہ بن مقدام کے بارے میں شیخ احمد محمد شاکر نے تعجیل سے حافظ ابن حجر کا قول ''لیس بالمشھور'' نقل کرنے کے بعد ''ولم اجد عنه شیئاً غیر ھذا'' لکھا ہے۔

مولانا نے متوجہ کیا کہ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں عبداللہ بن مقدام کا تذکرہ کیا ہے۔

''ذکرہ ابن ابی حاتم فی الجرح والتعدیل ۲/۲/۱۷۵-۱۷۶، فقال:

عبدالله بن مقدام بن الورد الطائفي، روى عن عمرو بن حبشي۔

روى عنه عبدالملك بن المغيرة الطائفي، سمعت أبي يقول ذلك،

قال ابو محمد: وروی عن ابن عمر انه رآہ طاف بین الصفا والمروۃ

(یشیر الی ھذا الحدیث)۔ ولم یذکر فیه جرحاً''۔

شیخ شاکر نے مولانا کے اس استدراک کو تسلیم کیا اور لکھا: ''وھذا جید صحیح''۔(۲۲)

۲۔تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۱۴ پر علی بن ابی حملہ کے ذکر میں ہے:

''وقال ابو حاتم ثقة من الثقات'' یعنی ابوحاتم کہتے ہیں کہ وہ ثقہ لوگوں میں ہیں۔

علامہ اعظمی نے ابوحاتم پر یہ (ؕ) علامت لگائی اور حاشیے میں تحریر فرمایا: ''ھذا سھو من المصنف وانما قال ھذا احمد بن حنبل کما فی کتاب ابن ابی حاتم'' یعنی ان کی نسبت ''ثقة من الثقات'' کا قول امام ابوحاتم کی طرف منسوب کرنا مصنف کا سہو ہے، کیونکہ یہ قول امام احمد بن حنبل کا ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم کی کتاب میں مذکور ہے۔

علی بن ابی حملہ کی نسبت امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۱۸۳ پر مذکور ہے۔(۲۳)

۳۔مولانا عبدالحی فرنگی محلی (۱۲۶۴-۱۳۰۴ ہجری) کی مشہور تصنیف ''الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل'' کی تحقیق و تصحیح شیخ ابوغدہ نے کی ہے۔حلب سے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۳ میں شائع ہوا۔اس پر بھی مولانا کے استدراکات کا صرف ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

امام بخاری جب کسی راوی کے بارے میں ''فیہ نظر'' کہتے ہیں تو اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔حافظ ذہبی کے نزدیک مراد متہم راوی اور حافظ عراقی کے نزدیک متروک الحدیث راوی ہے۔

علامہ اعظمی کو حافظ ذہبی اور حافظ عراقی دونوں کے موقف سے اختلاف ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''لا ینقضی عجبی حین أقرأ کلام العراقی والذھبی ھٰذا أن البخاری لا یقول: (فیہ نظر) الا فیمن یتھمہ غالباً۔ ثم أری أئمۃ ھٰذا الشان لا یعبأون بھذا، فیوثقون من قال فیہ البخاری: (فیہ نظر) أو یدخلونہ فی الصحیح''۔

(عراقی اور ذہبی کے اس قول کو پڑھ کر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ امام بخاری (فیہ نظر) کہہ کر اکثر متہم راوی ہی مراد لیتے ہیں، پھر اسی شان کے ائمۂ حدیث کو دیکھتا ہوں کہ اس کی پروا کیے بغیر ان راویوں کی توثیق کرتے ہیں یا اپنی صحیح میں جگہ دیتے ہیں، جن کے بارے میں بخاری نے ''فیہ نظر'' کہا ہے۔)

مولانا نے گیارہ مثالیں دی ہیں۔ان میں سے صرف تین نقل کی جاتی ہیں:

۱۔تمام بن نجیح: بخاری نے ان کے بارے میں (فیہ نظر) کہا ہے، اور ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے، بزار نے ایک جگہ انھیں صالح الحدیث کہا، بخاری نے خود وقت رکوع حضرت عمر بن عبدالعزیز کے رفع یدین کے سلسلے میں ایک موقوف معلق اثر نقل کیا ہے۔مولانا فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بخاری کے یہاں خود وہ راوی متروک نہیں، اور نہ ہی ابوداؤد و ترمذی کے یہاں۔

۲۔حبیب بن سالم: بخاری نے ان کے بارے میں کہا: ''فیہ نظر'' ابن عدی نے اسی راوی کے بارے میں کہا: ''لیس فی متون أحادیثہ حدیث منکر، بل قد اضطرب فی أسانید ما یُروی عنہ'' یعنی متون احادیث میں کوئی منکر حدیث نہیں ہے، بلکہ ان سے مروی روایات کی اسانید میں اضطراب ہے۔

آجری نے ابوداؤد سے نقل کیا کہ وہ ثقہ ہیں، ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے، مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے ان سے روایت نقل کی ہے۔ابن حجر نے کہا لا بأس بہ۔

۳۔سلیمان بن داؤد خولانی: بخاری نے ان کے بارے میں ''فیہ نظر'' کہا اور ابوزرعہ، ابوحاتم، عثمان بن سعید اور حفاظ کی ایک جماعت نے ان کی تعریف کی ہے، ابن حجر نے لکھا ''لا ریب فی انہ صدوق'' ان کے صدوق ہونے میں کوئی شک نہیں۔

مولانا نے اس سلسلے کی صرف مثالیں ہی پیش نہیں کیں، بلکہ اپنے موقف کی بھی وضاحت

کی اوراس نتیجے پر پہنچے کہ:

''عراقی کے قول کی حیثیت کسی قاعدہ کلیہ کی نہیں ہے، اور نہ ہی یہ بات علی الاطلاق صحیح ہے، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بخاری نے جو بات کہی ہے، دوسرے جہابذۂ فن اس کی موافقت نہیں کرتے ہیں۔اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسا کہہ کر بخاری کوئی خاص سند مراد لیتے ہیں،کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس سے راوی نہیں بلکہ راوی کی حدیث مراد ہوتی ہے''۔

شیخ ابوغدہ نے مولانا کی اس بصیرت کو سراہا:

وقد أیقظ... حفظه الله وأمتع به... الیٰ موضوع من العلم هام جداً، کان مأخوذاً بالتسلیم والمتابعة من العلماء، فجزاه الله تعالیٰ خیراً عن السنة وعلومها۔(۲۴)

(مولانا نے،اللہ ان کی حفاظت فرمائے اوران کا سایہ تا دیر قائم رکھے،ایک بہت ہی اہم علمی مسئلہ سے باخبر کیا،جوعلمائے کرام کے یہاں مسلم ومختار ہے۔اللہ ان کوحدیث اورعلوم حدیث کی جانب سے اس خدمت پر بہترین جزا سے نوازے۔)

(ہ)مولانا کے مضامین کی فہرست بھی بہت طویل ہے،ان کی نوعیتیں بھی مختلف ہیں۔وہ بیجا طوالت سے احتیاط لازم سمجھتے ہیں اوراتنا ہی لکھتے ہیں جتنا موضوع کا حق ہے۔

مولانا نے ان کتابوں اور مقالات پرتبصرے بھی کیے ہیں،جن کا کسی نہ کسی حیثیت سے رجال سے تعلق ہے۔

''ان الاسناد من الدین''میں علامہ اعظمی نے اسناد کی اہمیت بیان کی ہے،ظاہر ہے کہ اسناد کی صحت کا انحصار رجال کی معرفت پر ہے۔(۲۵)اس مضمون میں علامہ نے فن رجال کی اہمیت بیان کرتے ہوئے قدیم کتابوں اورناقدین رجال کا ذکر کیا ہے۔

ایک مضمون''ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات''میں چند کتابوں کے متعلق مضمون نگار کی غلطیوں پرمتنبہ کرتے ہیں اورصحیح ناموں کی نشاندہی کرتے ہیں،اس مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

اسماءرجال کتاب الآثار:امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب الآثار کے رجال کا بیان ہے۔

تسهیل المنهج فی اسماء رجال کتاب الحجج: یہ کتاب امام محمد کی کتاب الحجج کے رجال کے بیان میں ہے، یہ دونوں کتابیں مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرحوم کی تصنیف ہیں، خدا ان کو جزائے خیر دے کہ اس ضروری کام کی طرف ان کو توجہ ہوئی اور انھوں نے یہ علمی خدمت انجام دی، مگر افسوس ہے کہ یہ کام جتنی محنت و کاوش اور تلاش و جستجو سے انجام دینے کا تھا، اتنی محنت اور جستجو سے وہ کام نہ لے سکے، اس لیے بہت سے رجال کی نسبت وہ اس فن کے ماہرین کے اقوال نہ پا سکے اور نہ ان کو وہ رجال کتب رجال میں مل سکے، اس لیے ان کی نسبت صرف لم اَرَ مَن ضعّفه یا لم اعرفه لکھ دینے پر اکتفا کرلیا، نیز رجال کے ناموں میں ناقلوں کی ستم ظریفی سے جو تحریف ہوگئی ہے، اس پر بھی تنبہ نہیں ہوا، مثلاً:

اَبان بن لقیط کی نسبت انھوں نے لکھا کہ: لم اَرَ من ضعّفه، حالانکہ یہ نام ہی غلط چھپ گیا ہے، صحیح نام اِیاد بن لقیط ہے اور وہ صحیح مسلم و سنن کا راوی ہے اور ابن معین وغیرہ نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔

اور البراء بن قیس کی نسبت لکھ دیا: مقبول واللہ اعلم، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ راوی ان کو کتب رجال میں نہیں ملا اور اپنے وجدان سے اس کو مقبول قرار دیا؛ حالانکہ اس کا ذکر ثقات ابن حبان اور تاریخ بخاری میں موجود ہے۔

اور مثلاً علی بن ندیمہ کی نسبت صرف اتنا لکھا کہ: لم یُجرح ولم یضعّف، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جو تحریف ہوئی ہے، اس پر ان کو تنبہ نہیں ہوا اور اس لیے یہ نام ان کو کتب رجال میں نہیں ملا، تو اپنی طرف سے لم یجرح ان کو لکھنا پڑا؛ حالانکہ صحیح علی ابن بذیمہ ہے اور وہ سنن کا راوی اور تہذیب التہذیب میں مذکور ہے۔

''اسماء رجال کتاب الآثار'' بھی اس عیب سے پاک نہیں ہے، اس میں بھی اس طرح کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، مثلاً:

۱۔ افلح بن قیس کی نسبت یہ لکھ کر کہ محفوظ ابوالافلح ہے، میزان سے یہ نقل کر دیا کہ لاندری من هو، حالانکہ میزان میں یہ فقرہ ایک دوسرے راوی کی نسبت مذکور

ہے، یہاں جس ابوالافلح کا ذکر ہے، وہ ثقہ اور معروف ہے، جیسا کہ تہذیب ۱/ ۳۶۹،
اور تہذیب التہذیب ۱۲/ ۳ سے ظاہر ہے۔(۲۶)

واقدی (۱۳۰ـ۲۰۷ہجری) کی شخصیت کا ایک طرف جہاں اعتراف ہے، وہیں متن حدیث کی وضع کا ان پر الزام بھی ہے۔امام احمد، اسحق بن راہویہ، امام شافعی، ابوحاتم اور ابوداؤد جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث نے ان پر کلام کیا ہے۔

واقدی پر لگائے گئے الزامات کا مولانا نے تجزیہ کیا اور ان علما اور محققین سے اختلاف کیا ہے، جو واقدی کو کذاب جانتے ہوئے ان کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے۔مولانا لکھتے ہیں:

> اس بات کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ محدثین نے جو الزام کسی پر لگایا ہے، وہ ان کے اپنے علم کی حد تک ہے، اس کو حرف آخر قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔(۲۷)

واقدی مولانا کے نزدیک کذاب یا وضاع نہ تھے، عیب صرف یہ تھا کہ وہ حدیث میں مُتقن نہ تھے۔اس پوری بحث کا آخری حصہ نقل کیا جاتا ہے:

> ان سب باتوں کے باوجود اگر ذہبی نے یہ لکھ دیا کہ استقر الاجماع علی وھن الواقدی تو ذہبی کے اس دعوے کی حقیقت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ متاخرین کی اکثریت نے امام بخاری و امام احمد و اسحق وغیرہ کی تقلید جامد میں واقدی کو ضعیف قرار دیا ہے، اسی لیے حافظ ابن حجر کے بعض مشائخ حدیث نے ذہبی کے کلام کا رد کیا ہے۔
>
> ذہبی نے خود تذکرۃ الحفاظ میں اس کا ترجمہ ذکر نہ کرنے کا یہ عذر بیان کیا کہ وہ ''الحافظ البحر'' تھا، لیکن میں نے اس کا ترجمہ اس لیے ذکر نہیں کیا کہ لوگوں نے اس کی حدیث ترک کرنے پر اتفاق کرلیا ہے، حالانکہ وہ بہت بڑا عالم تھا، بس عیب اس میں یہ تھا کہ وہ حدیث میں متقن (پختہ کار ضابط) نہیں تھا، لیکن مغازی و سیر میں وہ چوٹی کا عالم تھا۔
>
> دیکھیے ذہبی کی تحقیق میں بھی وہ وضاع یا کذاب نہیں تھا بلکہ ان کے نزدیک اس میں صرف اتنا عیب تھا کہ وہ حدیث میں مُتقِن نہیں تھا۔باقی مغازی و سیر میں اس کا تفوق ان کو بھی مسلّم ہے۔(۲۸)

مضمون کے اس آخری حصے کے بعد ضروری ہے کہ اس خط کا بھی ایک حصہ نقل کردیا جائے

جہاں مولانا نے علوم حدیث کی مفید ترین کتابوں کے نام لکھے ہیں اور علم حدیث بہ شمول فن رجال میں مہارت پیدا کرنے کے لیے ان کتابوں کے مطالعے کو ضروری قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

معرفت رجال کے لیے تاریخ بخاری، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم، کتاب الثقات لابن حبان، تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، تعجیل المنفعة، لسان المیزان، مصطلح حدیث میں مقدمۂ ابن الصلاح، التقیید والایضاح للعراقی، فتح المغیث للسخاوی اور شرح نخبہ، ان کتابوں کے علاوہ مقدمہ فتح الباری لابن حجر، الرفع والتکمیل للشیخ عبدالحئی اللکنوی بہ تحقیق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ اور تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس لابن حجر کا مطالعہ ضروری ہے۔ ان کتابوں سے بڑی حد تک کام چل جائے گا۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ کتابیں علوم حدیث کی باقی کتابوں سے یکسر مستغنی کردیں گی۔(۲۹)

مولانا کی اصابت رائے کا اعتراف بھی کیا گیا۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی فرماتے ہیں کہ:

مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی ...... سے بڑھ کر فن حدیث و اسماء الرجال کا محقق و مبصر میرے نزدیک آج انڈو پاک میں کوئی نہیں ہے۔(۳۰)

مشہور محقق و محدث شیخ شعیب الارنؤوط نے ''الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان'' میں ''فیہ نظر'' اصطلاح کے سلسلے میں علامہ اعظمی کی تحقیق کو اس طرح داد دی:

وھذہ فائدۃ نفیسۃ تنبئ عن امامۃ ھذا الشیخ حفظہ اللہ ونفع بہ علم الجرح والتعدیل ودرایۃ واسعۃ بقضایاہ۔(۳۱)

(یہ ایک مفید اور عمدہ بحث ہے، اس بحث سے علم جرح و تعدیل میں شیخ (محدث اعظمی) کی امامت اور اس کے مسائل کے بارے میں ان کی وسیع معلومات کا پتہ چلتا ہے۔)

مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کے محدثانہ کارناموں کا احاطہ موضوع سے متعلق نہیں ہے، یہاں تو بس چند ایسے گوشوں کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جہاں وہ ایک ایسے رجال شناس کی حیثیت سے نظر آتے ہیں جو علم کی روشنی میں اپنے پیش رووں سے بھی ہم کلام ہے اور بعد کے لوگوں کے لیے بھی نشان راہ۔

مراجع

(۱) تاریخ ابن خلدون، عبدالرحمن ابن خلدون، ترتیب ومراجعہ: خلیل شحادہ، سہیل زکار دارالفکر بیروت لبنان، ۲۰۰۱، ۱:۵۶۰۔ (۲) ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات (مضمون)، مولانا حبیب الرحمن اعظمی، مشمولۂ مقالات ابوالمآثر، مرتبۂ مسعود احمد الاعظمی، دارالثقافۃ الاسلامیۃ، مئو، ۲:۹۵۔ (۳) المآثر اپریل تا جون ۲۰۱۲ ص ۴۷۔ (۴) حیات ابوالمآثر، ڈاکٹر مسعود احمد الاعظمی، مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ مئو، ۲۰۱۱، ۲:۴۶۳-۴۶۹۔ (۵) ترجمان الاسلام، ۱۱-۱۲ ص ۲۰۶-۲۰۷۔ (۶) المآثر مئی تا جولائی ۱۹۹۸ ص ۸۷۔ (۷) المآثر مئی تا جولائی ۱۹۹۸ ص ۸۸۔ (۸) تعدیل رجال بخاری، مولانا حبیب الرحمن الاعظمی، مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ مئو، ۲۰۰۲، ص ۱۔ (۹) ایضاً، ص ۳۔ (۱۰) ایضاً۔ (۱۱) ایضاً ص:۴۔ (۱۲) حیات ابوالمآثر، ۲:۶۸۶-۶۸۷۔ (۱۳) ایضاً ص ۶۸۷۔ (۱۴) المآثر، جولائی تا ستمبر ۱۹۹۶ ص:۸۱، دارالعلوم اکتوبر ۱۹۹۲ ص:۱۴۔ (۱۵) حیات ابوالمآثر ۲:۶۷۱-۶۸۲۔ (۱۶) عجالۂ نافعہ، شاہ عبدالعزیز، مطبع مجتبائی، دہلی ص:۶۔ (۱۷) تلخیص خواتم جامع الاصول، علامہ محمد طاہر پٹنی، تحقیق وتعلیق، مولانا حبیب الرحمن الاعظمی، علمی پریس اور ہمدم پریس مالیگاؤں ناسک، ص ۳۲، ۷۷، ۱۴۸۔ (۱۸) مصنف عبدالرزاق، تحقیق وتعلیق، مولانا حبیب الرحمن الاعظمی، المجلس العلمی کراچی، ۱۹۹۶، ۱:۳۶۔ (۱۹) مسند حمیدی، تحقیق و تعلیق، مولانا حبیب الرحمن الاعظمی، مجلس علمی ڈابھیل، ۱۹۸۸، ۱:۱۰۲۔ (۲۰) المطالب العالیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی، تحقیق مولانا حبیب الرحمن الاعظمی، وزارۃ الاوقاف کویت، ۱۹۷۰، ۴:۱۵۵۔ (۲۱) مسند احمد بن حنبل، تشریح وتحقیق علامہ احمد محمد شاکر، مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ ۱۹۹۵، ۴:۶۷۴۔ (۲۲) ایضاً، دارالمعارف مصر، ۱۹۵۵، ۱۵:۲۸۳-۲۸۴۔ (۲۳) المآثر نومبر تا جنوری ۲۰۰۰ ص ۵۸-۵۹۔ (۲۴) الرفع والتکمیل، مولانا عبدالحی فرنگی محلی تحقیق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ۱۹۸۷، ص ۲۹۱-۳۸۸، قواعد فی علوم الحدیث، مولانا ظفر احمد تھانوی، تحقیق شیخ عبدالفتاح ابوغدہ، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب ۱۹۸۴ ص ۲۵۴-۲۵۷۔ (۲۵) ان الاسناد من الدین (مضمون)، مولانا حبیب الرحمن الاعظمی، مشمولۂ مقالات ابوالمآثر ۲:۶۷۔ (۲۶) ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات (مضمون)، مولانا حبیب الرحمن اعظمی، مشمولۂ مقالات ابوالمآثر ۲:۹۰-۹۲۔ (۲۷) واقدی (مضمون) مولانا حبیب الرحمن اعظمی، مشمولۂ مقالات ابوالمآثر ۲:۱۷۸۔ (۲۸) ایضاً، ص ۱۸۰۔ (۲۹) المآثر، نومبر تا جنوری ۹۷-۱۹۹۸ ص ۸۸۔ (۳۰) صدیق اکبر، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، ندوۃ المصنّفین دہلی، ۱۹۶۱، ص ۲۷۔ (۳۱) الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، علی بن بلبان الفارسی، تحقیق شعیب الارنؤوط، مؤسسۃ الرسالہ، ۱۹۹۷، ۴:۲۹۲-۲۹۳۔

کلیات شبلی میں اہل بیت سے عقیدت

☆ جناب سید حسن رضا عارف ہاشمی

علامہ شبلی کی نگارشات نثری میں عقیدت آل و اصحاب رضوان اللہ علیہم کا بحر زخار ہے جو کئی ہزار صفحات کو محیط ہے جس میں الفاروق، موازنہ اور سیرت النبیؐ کی (دو جلدیں) بالتصریح عقیدت اہل بیت میں شرابور ہیں، ورنہ الف سے ی تک مولانا کی کوئی تصنیف اٹھالو، المامون سے سیرت پاک تک جس پر مولانا کا خاتمہ بالخیر ہوا، مقالات، مکتوبات، خطبات، غرضیکہ ہر تصنیف عقیدت کی خوشبو سے معطر پاؤ گے۔

مولانا عاشق رسول تھے اور اسی نسبت سے آلہٖ و اصحابہٖ سے مودت و شیفتگی رکھتے تھے، الفاروق جسے کوتاہ بین و کم سواد شیعہ شجر ممنوعہ سمجھتا ہے اور اہل سنن کی باچھیں کھل جاتی ہیں، اگر نکتہ سنجی اور باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے ہر جگہ علیؓ نظر آتے ہیں، گویا یہ کتاب مولانا روم کے اس شعر کی مصداق ہے ؎

رافضاں دارند انگشت در دہن چوں علیؓ را با عمرؓ آمیختم

نگارشات شبلی ایک شہر نگاراں ہے، عقیدت کا چمنستان، جہاں سو سو رنگ کے پھولوں کی فراوانی ہے، اس کشت زعفران زا کی دو فصلیں ہیں، نثری و شعری، راقم الحروف سہل انکاری و عجز بیانی سے (عمر کا تقاضہ بھی ہے) مولانا کی شعری نگارشات (کلیات شبلی) کو زیر قلم لایا ہے، نثری سرمایہ تو ایک بحر زخار ہے، کو لمبس کون بنے گا؟

مولانا کی نگارشات نثری نے شعری نگارشات کو اس طرح چھالیا ہے کہ علامہ کی شعری خوبی دب کر رہ گئی ہے، شعری کائنات یعنی کلیات شبلی ۱۱۸ رصفحات ہیں جس میں ۲۰ صفحہ سید ندوی صاحب کا مقدمہ ہے، اس زمانے کے شعرا کے ضخیم دواوین دیکھیے، خیال گزرتا ہے شبلی شاعر نہیں تھے لیکن جب

☆ محلہ سیتارام، اعظم گڑھ۔

اس ندی میں اتریے، اندازہ ہوتا ہے ؎

آرزو ڈوب کے گرتھاہ لگائیں تو کھلے اتھلی ندی میں نہ ہونے پہ ہے کتنا پانی

(آرزوؔ لکھنوی)

لاریب علامہ شبلیؒ شاعر ہیں، ایک فطری اور وہبی شاعر، ان کے یہاں جو انفرادیت ہے وہ چیزے دیگرے ہے جو انہیں ہم عصر شعرا سے ممتاز و ممیز کرتی ہے وہ ہے حقیقت کو سادگی و جوش وخروش سے بیان کرنے کا طریقہ، سادگی و پرکاری، علامہ شبلیؒ نے چوتھے دور میں سیاسی، اخلاقی، تاریخی اور مذہبی عنوانات کو موضوع سخن بنایا ہے، مذہبی عنوانات پر کافی نظمیں ہیں:

۱۔خلافت فاروقی کا ایک واقعہ ۲۔عدل فاروقی کا نمونہ ۳۔اظہار قبول حق ۴۔خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کا انصاف ۵۔خواتین عرب کا ثبات واستقلال ۶۔مساوات اسلام ۷۔تعمیر مسجد نبویؐ ۸۔ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۹۔جرأت وصداقت ۱۰۔اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی۔(جسے جامع کلیات نے شبلی کی آخری نظم بتایا ہے، جیسے علامہ کی آخری تصنیف سیرت النبیؐ ہے، ویسے ہی آخری نظم اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت پاک ہے۔) یوں خاتمہ بالخیر ہوا ہے جو مومن کی شان ہے۔

ان میں تین نظموں کا تعلق بالتصریح اہل بیت اطہار سے ہے، ان نظموں میں اہل بیت سے مودت وعقیدت کی تیز مٹھاس ہے، جس سے علامہ کے جذبات، احساسات وافکار تک قاری کو پہنچنے میں دیر نہیں لگتی، احساس کی تیز آنچ میں تپ کر وہ کچھ وہ کہہ جاتے ہیں جو علمیت کے تہ بہ تہ پردوں میں نہیں کہہ سکتے، وہ تین نظمیں یوں ہیں:

۱۔ اہل بیت رسول کی زندگی ۲۔ جرأت وصداقت ۳۔ ایک ناتمام نظم، جسے جامع نے ناتمام نظموں کی صف میں ڈال کر ایک نوٹ لگا دیا ہے۔

علامہ کی مذہبی نظموں میں ایک نظم اور ہے جس کا عنوان ''نظام حکومت اسلام'' ہے، اگرچہ اہل بیت سے اس کا تعلق نظر نہیں آتا، لیکن غور کرنے پر معرکۂ کربلا اور اقدامِ حسینی صاف نظر آتا ہے، اس لیے مضمون کے سلسلے میں پہلے اسی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اس نظم کا پہلا مصرعہ ہے ''جب ولی عہد ہوا تخت حکومت کا یزید'' کلیات شبلی''، ص ۴۲، علامہ نے حکومت کہا، جب کہ حکومت وخلافت ہم وزن وہم قافیہ تھے، خلافت نہیں کہا، ۱۵/اشعار کی یہ نظم محاکاتی ہے جس میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے، جب حضرت معاویہؓ نے آخر عمر میں اپنے بیٹے کی

ولیعہدی ونامزدگی چاہی تھی اور عامل مدینہ کو یزید کا نام بھی داخل خطبہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

اس نظم کا پس منظر یہ ہے کہ مسجد نبویؐ نمازیوں سے چھلک رہی ہے، غالباً جمعہ کا دن ہوگا، جس میں صحبت یافتہ صحابہ کرام اور ان کی اولادیں ہیں، خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے صاحب زادگان ہیں، مہاجرین وانصار کا جم غفیر ہے، مروان عامل مدینہ منبر رسولؐ سے حسب الحکم حاکم وقت یزید کا نام داخل کرتا ہے اور اسے اسوۂ شیخینؓ بتاتا ہے، حضرت عبدالرحمنؓ خلیفہ اول کے فرزندار جمند کو تاب ضبط نہیں رہتی، خطیب منبر کو ٹوکتے نہیں بلکہ للکارتے ہیں اور جو کچھ فرماتے ہیں یہ سخت وسست اور درشت کلمات علامہ شبلی کے دل کی آواز ہے، چار اشعار ملاحظہ فرمائیں:

اٹھ کے فرزند ابوبکرؓ نے فوراً یہ کہا — سربسر کذب ہے یہ اے خلف نسل لئام
جھوٹ ہے یہ کہ ہے سنت بوبکرؓ و عمرؓ — ہاں مگر قیصر و کسریٰ کی ہے یہ سنت عام
یہ طریقہ متوارث ہے تو کفار میں ہے — ورنہ اسلام ہے اک مجلس شوریٰ کا نظام
شان اسلام ہے شخصیت ذاتی سے بعید — شرع میں سلطنت خاص ہے ممنوع وحرام

یہ عبدالرحمٰنؓ کے کلمات جہاد باللسان ہیں، بدرقہ مقدمۃ الجیش ہیں، جس کا ایک ایک لفظ تلوار کی کاٹ ہے، مولانا نے نسل لئام کہہ کر اس کے آبا واجداد تک کو نہیں بخشا، کافر بدعتی سب کچھ بنا ڈالا، اسی میں ایک اور شعر ہے جو عربوں کی جبلت وفطرت کا عکاس ہے ؎

اس سے بھی قطع نظر نسل عرب ہیں ہم لوگ — وہ کوئی اور ہیں ہوتے ہیں جو شاہوں کے غلام

یہ آخری شعر ہے۔

اس شعر میں اشارہ ہے جب خلافت راشدہ کے بعد خلافت، ملوکیت کا جامہ زیب تن کررہی تھی، حضرت عبدالرحمٰنؓ کا یہ جہاد باللسان باطل کے خلاف ہراول دستہ ہے جس نے حضرت امام حسین و اصحاب حسین کے لیے جہاد بالسیف کی راہ ہموار کردی، شاعر کے لاشعور میں حقانیت کی حمایت، باطل سے نفرت، حسینی اقدام سے عقیدت ہے، اگرچہ معرکہ کربلا کا کوئی واقعہ یا حضرت امام مظلوم کا کوئی خطبہ نظم کرتے وقت یہ تاثر نہیں پیدا ہوتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ اسی جہاد باللسان نے امام حسین کے جہاد بالسیف پر جمہور کی زبان بند کردی، جس نے امام کے قیام کو جائز اور فرض عین بنادیا، ورنہ دو شہزادوں کی جنگ کہہ دیا جاتا، مولانا شبلی نے یہ نکتہ نہایت چابک دستی، ذہانت وفطانت سے جمہور اسلام کے ذہن میں پیوست کردیا، اس کا اثر دبستان شبلی میں اس طرح ہوا کہ اقدام حسینی پر کسی نے حرف نہیں رکھا بلکہ توصیف فرمائی۔

اگر چہ علامہ کی کوئی نظم معرکہ کربلا پر نہیں ہے لیکن موازنہ انیس ودبیر سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف کا گہرا مطالعہ اس واقعہ پر تھا، وجہ جو بھی ہو، شاید اس لیے کہ کربلا کا معرکہ علامہ شبلی کی جبلی اور نسلی روایات شجاعت کے مطابق تھا، جس میں بحر شجاعت کے شناور ہاشمی اطفال نوجوان، جوان بوڑھے سبھی مع اصحاب وانصار تین دن کی بھوک و پیاس کی سختیاں جھیلتے ہوئے مردانہ وار شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

لیکن بعد شہادت حضرت امام حسینؑ (مع اعزا و اقربا، دوست واصحاب) خانوادۂ رسولؐ پر کیا گزری، شبلی جیسے غیور و حساس، پاسدار ناموس کا دل غم سے خون ہو جاتا ہے جہاں ناموس کی حفاظت، عزت وتوقیر، نسلی روایات میں شامل ہے، خانوادۂ رسولؐ، علیؓ و فاطمہؓ کی بیٹیاں سر برہنہ، بے مقنع و چادر دربار یزید میں حاضر کی گئیں، شاعر شدت غم سے چیخ پڑتا ہے۔ شبلی کی یہ یادگار نظم کلیات کے صفحہ (۱۱۶) پر درج ہے، جس کا کوئی عنوان نہیں دیا گیا ہے بلکہ ایک عجیب سا نوٹ رواداری یا کام کی زیادتی میں جامع نے لگا دیا تھا، ناچیز خاکسار راقم السطور کو یہ فخر حاصل ہے کہ نظم سے پردہ اس ناچیز نے اٹھایا اور جریدہ معارف میں جگہ پانے کا شرف حاصل کیا۔

یہ نظم ۱۵ اشعار کی ہے تطویل کے لحاظ سے نہیں لکھی جاتی، جسے جامع کلیات نے نظم ناتمام کی صف میں ڈال دیا ہے اور نوٹ لگا دیا ہے، پتہ نہیں کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، چونکہ علامہ شبلی رسول وآل رسول کے لیے سب سے قیمتی لفظ قدسی جابجا اپنی تحریر میں بار بار لائے ہیں، مثلاً رسول اللہؐ کی ولادت و رحلت میں لفظ قدسی ملے گا، اس نظم کے چوتھے شعر میں اس محاکات کا سب سے دلدوز گوشہ جس نے شاعر کو تڑپا دیا تھا حریم قدس لاکر تڑپتے دل کو تسلی دی ہے، یہ معمولی لوگ نہیں، آل رسول پاک ہیں ؎

ہیں بے نقاب پردہ گیان حریم قدس جن کی زباں پہ سوز ہے نوحہ ہے، بین ہے

(علامہ شبلی)

دراصل علامہ شبلی کے اس عقیدت میں ڈوبے ہوئے شعر نے ناچیز کو ان اشعار کے سمجھنے اور تہ تک پہنچنے میں مدد دی، لفظ قدسی نے اس راز سربستہ سے پردہ اٹھایا تھا، یہ نظم یوں دریافت ہوئی تھی۔

اس نظم کا پہلا شعر ہے:

اک شہر میں کہ پایۂ تخت قدیم ہے پچھلے پہر سے آج عجب شور وشین ہے

یہ نظم ناتمام صفحہ ۱۱۶ پر ہے۔(کلیات شبلی ۱۱۶)

۲۰۱۱ء میں دارالمصنّفین کے سیمینار بعنوان علامہ شبلی کا علمی وفکری ورثہ کے بعد دسمبر کے شمارے میں شبلی شناسی کی نئی جہات کی طرف اشارہ تھا۔

نیا گوشہ کیا ہو سکتا ہے؟ جوئندہ یابندہ، خاکسار کو یہ گوشہ نظر آیا ''علامہ شبلی اور عقیدت اہل بیتؓ''۔علامہ شبلی پر لکھنے والوں میں علامہ اقبال سہیل کی عقابی نگاہ اس نکتہ پر گئی تھی، تفصیل آخری صفحہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ شبلی کی ایک نظم جرأت وصداقت کلیات کے صفحہ ۴۱ پر ہے، جس میں حسنی سادات کا ذکر ہے، خانوادۂ حضرت امام حسنؓ کے جیالے محمد وابراہیم حاکم وقت منصور کے لیے خطرہ بن گئے تھے، منصور نے سارے بنو ہاشم کو گرفتار وقیدی بنا دیا تھا، دیگر مظالم اس کے سوا تھے، علامہ شبلی کی ہمدردی آل حسن وخانوادۂ رسول سے ہے، مولانا کا دامن عقیدت مندی وارادت کیشی اس درجہ وسیع ہے، انہیں جگر گوشہ رسول کہا ہے، یہ نظم ۱۴/اشعار کی ہے، ۶/اشعار ملاحظہ فرمائیں جو خلوص وعقیدت میں ڈوبے ہوئے ہیں:

ایک دن حکم دیا اس نے کہ اولاد رسولؐ ایک جا جمع کیے جائیں جو مل جائیں کہیں
پھر دیا حکم کہ ان سب کو پہنا کر زنجیر کہہ دو ان سے کہ بنیں خانۂ زنداں کے مکیں
ایک دن سیر کو اس شان سے نکلا منصور پا بہ زنجیر تھے سادات یسار اور یمین

سادات کے حال زار پر شاعر کا دل غمزدہ، عقیدت اور محبت ومودت سے بے تاب ہو جاتا ہے، آگے شعر دیتے ہیں جس میں انہیں جگر وجان رسول کہا گیا ہے:

ساتھ ساتھ آتے تھے پیدل جان وجگر رسولؐ اور منصور تھا زیب حرم خانۂ دین
ایک نے مجمع سادات سے بڑھ کر یہ کہا گرچہ اس لطف کے مشکور ہیں ہم خاک نشیں
غزوۂ بدر میں لیکن جو کیا ہم نے سلوک وہ تو کچھ اور تھا ہے یاد بھی تم کو کہ نہیں

غزوۂ بدر میں حضرت عباس بن عبدالمطلب کفار مکہ کے ساتھ آئے تھے اور گرفتار ہوئے تھے، ان کی مشکیں خوب کس کر باندھی گئی تھیں، رات میں ان کی کراہ سے آنحضرتؐ کو نیند نہیں آرہی تھی، جب مشکیں ڈھیلی یا کھول دی گئیں رحمت اللعالمینؐ سو سکے، اسی طرف اشارہ ہے، سارے واقعات قارئین عظام کو معلوم ہیں۔

کلیات شبلی کے ص ۴۳ پر ایک نظم ہے جس کا عنوان اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہے ، مولانا سید سلیمان ندوی جامع کلیات نے اسے علامہ کی آخری نظم کہا ہے ، غالباً اس لحاظ سے ۱۹۱۴ء کے اوائل کی ہوگی ، جب علامہ شبلی سیرت النبیؐ رقم فرما رہے تھے جیسے ان کی نثری تالیف میں سیرت کی شاہکار ہے ، یہ نظم کلیات شبلی میں گل سرسبد کا درجہ رکھتی ہے ،کلیات میں یہ نظم درمیان میں کیوں مرقوم ہے؟ (ص ۴۳) کیا مصلحت تھی ،مولانا سید ندوی صاحب جانیں۔

یہی وہ نظم ہے جس پر شبلی کے ہر مبصر و ناقد نے خوب خوب قلم کو گردش دی ہے، ۱۴ر اشعار کی یہ نظم مخزنِ عقیدت ہے، عقیدت کا چمن جس کی بھینی بھینی خوشبو سے مشام جان معطر ہو رہا ہے، حضور پاک کو اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ سے انتہائی پدری محبت و شفقت ہے، بیٹی کا باپ سے احترام، اسوۂ آل پاک صبر و رضا سبھی کچھ نظم میں ہے۔

راقم السطور کے نزدیک اس کا ہر شعر علامہ کی عقیدت اہل بیت علیہ السلام و عرفان و عظمت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوبا ہوا ہے۔

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں صبح و شام گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا

نظم طویل و محاکاتی ہے، اس کا آخری شعر یہ ہے:

یوں کی ہے اہل بیت مطہر نے زندگی یہ ماجرائے دختر خیرالانامؐ تھا

نظم لکھتے وقت علامہ کے لاشعور میں ضرور ام المومنین طاہرہ حضرت خدیجہؓ کا تاریخی واقعہ رہا ہوگا، جب اہل مکہ کا مال تجارت سجتا تھا موصوفہ کا نصف رہتا تھا جسے اس محسنہ اسلام نے فروغ اسلام کی خاطر اور رسول اللہ کی محبت میں قربان کر دیا، ان ہی مقدسہ معظّمہ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہیں، یہ افلاس خود اختیاری و رضا کارانہ ہے جو اس خانوادہ کا اسوہ ہے، گھر میں جو آتا ہے مسکیناً ،یتیماً ، اسیراً نذر کر دیا جاتا ہے، حضرت علیؓ سا نامور مجاہد شوہر ہے، جسے ضرور ہر مرد مجاہد کے برابر مال غنیمت ملتا ہے، خالی اوقات میں جسے محنت مزدوری سے عار نہیں، لیکن جو کچھ لاتے ہیں بے دریغ راہ خدا میں قربان و ایثار کر دیا جاتا ہے یہ افلاس رضا کارانہ تھا، اب مولانا کی نظم ملاحظہ فرمائیں:

افلاس سے تھا سیدہ پاک کا یہ حال

اس نظم پر اہل قلم حضرات نے بہت کچھ خامہ فرسائی کی ہے، ایک گوشہ تھا جس پر ناچیز راقم السطور نے روشنی ڈالنے کی حقیر کوشش کی ہے۔

ملحوظ خاطر رہے علامہ جیسے عالم جید فقیہ و محدث نے حضرت فاطمۃ الزہرا کو اہل بیت میں شامل کیا ہے، یہ شبلی کی عقیدت مندی آل رسول سے ہے۔

۱۹۱۲ء میں کانپور کی ایک مسجد کا وضوخانہ (سڑک وسیع ہورہی تھی) زد میں آ گیا، گورنمنٹ نے جسے شہید کرادیا، اس سلسلہ میں عملی احتجاج کرتے نہتے مسلمان شہید ہوگئے، پورے ملک میں ہنگامہ مچ گیا، علامہ شبلی صاحب نے ایک نظم ''معرکہ کانپور'' کہی، ''ہم کشتگان معرکہ کانپور ہیں''۔

مولانا نے معرکہ کربلا کے تناظر میں اسے معرکہ کانپور کا عنوان دیا ہے، دراصل یہ واقعات کربلا معرکہ آرائی تھی نہ حادثۂ کانپور، دونوں احتجاج ناحق کے خلاف تھے لیکن مولانا کو حق کی حمایت اور خانوادہ رسالت سے عقیدت و شیفتگی ہے، مولانا نے پوری نظم واقعات کربلا کے تناظر میں لکھی ہے اور اس کی مقبولیت آج بھی ویسی ہی ہے جیسی شاداب اس وقت تھی جب کہی گئی تھی، حالانکہ علامہ کی بہت سی عصری منظومات جن کا اس زمانے میں بہت زور و شور تھا، امتداد زمانہ کے ہاتھوں اپنی اہمیت کھو چکی ہیں یا مدھم پڑ گئی ہیں، لیکن یہ نظم ویسی ہی شاداب ہے جیسی مولانا کے زمانہ میں آج سے ۱۰۰ رسال پہلے تھی۔

چونکہ شاعر کے ذہن میں معرکہ کربلا رچا بسا ہے، یہ نظم اسی تناظر میں کہی گئی ہے جس میں کمسن، نوجوانوں، بوڑھوں نے شہادت پائی ہے۔

(علامہ شبلی کو معلوم ہے گولی برسائی گئی تھی، فائرنگ ہوئی تھی، ایک شعر میں اسی کو باندھا بھی ہے اس میں یہ مصرعہ ہے کہ فیر کا حکم دیا آپ نے جب بہر ہجوم...... نظم کا عنوان ہے ''آپ ظالم نہیں زنہار یہ ہم ہیں مظلوم''۔ ص ۷۹)

لیکن شاعر معرکہ کربلا کے تناظر میں کہتا ہے ؎

سینے پہ ہم نے روک لیے برچھیوں کے وار

معرکہ کربلا میں علی اکبر ابن امام حسینؓ ۱۸ رسالہ کڑیل جوان برچھی کھا کر شہید ہوئے تھے، میر انیسؔ اپنے ایک مرثیہ میں کہتے ہیں ؎

کچھ نوجوان ہیں طفل ہیں کچھ اور کچھ ہیں پیر

(موازانہ انیس و دبیر: ص ۳۸)

مولانا شبلی فرماتے ہیں:

ع کچھ نوجواں ہیں بے خبر نشۂ شباب ع کچھ طفل خوردسال ہیں جو چپ ہیں خودمگر
ع سینہ پہ ہم نے روک لیے برچھیوں کے وار ع کچھ پیر کہنہ سال ہیں دل دادۂ فنا
عجب کیا ہے جو نوخیزوں نے سب سے پہلے جانیں دیں کہ یہ بچے ہیں ان کو جلد سوجانے کی عادت ہے

واقعۂ کربلا میں حضرت حسنؓ کے کمسن بیٹے قاسم نے اقربا میں سب سے پہلے شہادت پائی، اسی طرف اشارہ ہے، یہ کلیات شبلی کے ص ۸۷ پر ہے۔

سادہ لوح قاری کہے گا ہاشمی صاحب یہ کہاں کھینچا تانی کررہے ہو، کہاں کا روڑا کہاں کی اینٹ؟ لیکن اس کے بعد والی نظم جس کا عنوان "علمائے زندانی" ہے، مثال میں یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

پنہائی جارہی ہیں عالمان دیں کو زنجیریں یہ زیور سید سجاد عالی کی وراثت ہے

جب واقعات کانپور کے سلسلے میں علماء حضرات کو ہتھکڑی پہنا کر داخل جیل کیا گیا تھا شاعر نے اپنے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اسیران کربلا سے اسباب وعلل پیدا کرلیا، جب بعد شہادت حضرت امام حسینؓ باقی السیف حضرت علی ابن الحسینؓ کو پابند سلاسل کیا گیا تھا۔

حضرت علی ابن الحسینؓ کا کثرت عبادت سے لقب سید سجاد ہے، زین العابدین ایسا مشہور ہوا لقب ہی نام بن گیا، جب مجرم کو زنجیر پہنائی جائے ذلت وخواری ہے، اگر بے جرم وخطا پہنایا جائے وراثت سجاد عالی ہے۔

ناچیز راقم الحروف نے ایک اور نظم خواتین عرب کا ثبات استقلال کو خانوادۂ رسول پاک کی عقیدت مندی سے جوڑنے کی کوشش کی ہے، یہ نظم کلیات کے صفحہ ۵۱ پر ہے، جس کا پہلا مصرعہ ہے ؎

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابن زبیرؓ

حضرت عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیرؓ کے فرزند ارجمند، خلیفہ اول کے نواسے ہیں، حضرت زبیرؓ کا شمار حواری رسول پاک، عشرۂ مبشرہ میں ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے شہادت امام حسینؓ کے بعد حجاز میں خلافت قائم کرلی تھی، سارے واقعات ناظرین کو معلوم ہیں، مالک بن مروان سے ان کی جنگ ہوئی اور شہید ہوئے۔ پہلا مصرعہ ہے ؎

ابن مروان نے حجاج کو جو بھیجا پئے جنگ

(مالک ابن مروان نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر فوج کشی کی تھی) دراصل یہ نظم حضرت اسما مادر ابن عبداللہ کے ثبات واستقلال کا ثبوت ہے، مذہبی منظومات میں غالباً سب سے طویل ۲۹؍اشعار کی نظم ہے جس کے تناظر میں ہاشمی شجاعت ہے اور اس شجاعت کا آخری معرکہ کربلا ہے جس پر شجاعت ناز کرتی ہے بغیر زرہ وبکتر پہنے بے ناصر ومددگار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت امام حسینؓ کی سی جنگ کررہے تھے اور ؎

پہلے ہی حملہ میں دشمن کی الٹ دیں فوجیں　　　جس طرف جاتے تھے یہ ٹوٹتی جاتی تھی قطار

ابن زبیرؓ کے دل میں شوق شہادت بھرا ہے، انجام کار شہید ہونا ہے:

خون ٹپکا جو قدم پر تو کہا ازرہِ فخر　　　یہ ادا وہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار

اس گھرانے نے کبھی پشت پہ کھایا نہیں زخم　　　خون ٹپکے گا تو ٹپکے گا قدم پر ہر بار

سریہ موتہ میں حضرت جعفر طیارؓ شہید ہوئے اور سارے زخم سینہ وبازو پر تھے۔

علامہ شبلی کی شیفتگی وعقیدت آل رسول سے انتہائی درجہ پر ہے، مصائب واقعات کربلا میں چونکہ تین دن کی بھوک وپیاس زبان زد خاص وعام ہے، بھلا شبلی سا والہ وشیدا آل رسولؐ کیوں متاثر نہ ہوتا، نظم کا عنوان ''خلافت فاروقی کا ایک واقعہ'' ہے، نظم محاکاتی ہے جس میں قحط سالی ''عام الرماد'' کا ذکر ہے، حضرت عمرؓ اور ضعیفہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے شعر دیتے ہیں۔ ضعیفہ کہتی ہے ؎

بچے یہ تین دن سے تڑپتے ہیں خاک پر　　　میں کیا کہوں زباں سے جو ان کا حال تھا

کلیات شبلی کی بہت ساری نظمیں، بہت سارے قطعات حالات حاضرہ پر ہیں، زیادہ تر سیاسی، تعلیمی، اخلاقی وغیرہ جن میں کانگریس، مسلم لیگ، احرار، ندوۃ العلماء، اے۔ ایم۔ یو کالج علی گڑھ سے متعلق ہیں جن میں ایسی تلمیحات آئی ہیں جو عقیدت وعلام سے متعلق ہیں، مثلاً ذوالفقار، پنج تن پاک، فتنہ آخرالزماں ظہور امام (مہدی موعود) وغیرہ، آج کا تعلیم یافتہ (ہندی داں) ان سے کم واقف ہوگا، ہوسکتا ہے علامہ شبلی کے زمانہ میں یہ بات نہ رہی ہو لیکن علامہ کے زمانہ میں خدشہ پیدا ہوگیا تھا۔

دور انگلشیہ میں لارڈ میکاولی کی تعلیمی سفارشات سے جو تعلیم عصری درسگاہوں میں دی جارہی تھی، اس سے نئی نسل اپنے آباواجداد کے کارناموں کو فراموش کرتی جارہی تھی، (علامہ کا سلسلہ ناموران اسلام اسی زہر کا تریاق تھا) اور الفرڈ اعظم کی تلوار کا کلمہ پڑھ رہی تھی الفرڈ اعظم

اساطیری کردار جو تمام عمر بدی کے خلاف شمشیر زن رہا، ضعیفی میں جب ہاتھ کمزور ہو گئے جھیل میں تلوار پھینک دی۔

''اور جب دنیا بدی سے بھر جائے گی وہ دوبارہ آئے گا''(۱) اور اسلامی نئی پود نے حقیقی تلوار (ذوالفقار) کو نیام پوش کر لیا تھا، مولانا نے اپنی نظموں میں ذوالفقار بھی باندھا ہے ؎

چلتی ہوئی زبان ہے یا ذوالفقار ہے

ملحوظ خاطر رہے کہ مولانا شبلی نظریاتی طور پر نیشنلسٹ تھے، ہندو مسلم اتحاد کے حامی کانگریس کو پسند کرتے اور مسلم لیگ کو انگریزوں کا آلہ کار جانتے اور نشانہ سادھتے تھے ؎

سعی بازو سے ملیں جب ہندوؤں کو کچھ حقوق اس میں کچھ حصہ ملے ہم کو بھی بہر پنج و تن

نظم کا عنوان کفران نعمت ہے، قطعہ ص ۶۶ پر ہے، اگر قاری کو پنج تن کی تلمیح نہیں معلوم ہوگی وہ طنز میں چھپے نشتر کے چرکے کو نہیں سمجھے گا بلکہ الجھے گا، یہ مقدس ہستیاں حضرات رسول اللہؐ، علیؓ، فاطمہؓ اور حسنینؓ ہیں، جو یمن کے بنی نجران کے عیسائیوں کے مقابل مباہلہ میں آئی تھیں، مسلمانوں کا ایک فرقہ انہیں پنج تن کا خطاب دیتا ہے۔

کلیات کے صفحہ ۶۸ پر ایک نظم ہے، یہ مسلم لیگ کے گرتے ہوئے گراف کے سیاق و سباق میں کہی گئی ہے، جس میں فتنۂ آخر الزماں اور امام زماں مولانا نے باندھا ہے، اگر اس تلمیح کی واقفیت ہوگی لطف آئے گا۔

ایک متفق علیہ حدیث قدسی ہے، قرب قیامت کی نشانیوں میں یہ بھی ہے: جب دنیا ظلم و عدوان سے بھر جائے گی بنی قریش سے ایک فرد تشریف لائیں گے اور دوبارہ دنیا کو عدل و انصاف سے جنت نشاں بنا دیں گے (جن کا نام محمد، لقب مہدی ہوگا) اور اب تک نہ جانے یہ فتنہ کتنی بار اٹھ چکا ہے اور کتنوں نے دعوائے مہدویت کیا ہے اور ایک فرقہ انہیں بارہواں امام جانتا ہے، جو امام حسن عسکری کے فرزند ہیں، ۲۵۵ھ ان کا یوم پیدائش ہے، سر الٰہی سے زندہ اور روپوش ہیں، واللہ اعلم۔ یہ جماعت شیعان اثنا عشری کہلاتی ہے، وہ فتنۂ آخر الزمان ہے اور یہ ظہور امام ہے ؎

وہ دن گئے کہ فتنۂ آخر الزماں کے بعد گویا کہ اب امام زماں کا ظہور تھا (ص ۶۸)

---

(۱) لارڈ بائرن اٹھارہویں صدی کے ایک شاعر کی نظم کا عنوان ہے، الفرڈ کی تلوار (Sword of Alfrord) ہمارے کورس میں تھی۔

ان تلمیحات کے لکھنے سے ہیچ مداں راقم السطور کا یہ عندیہ ہے کہ علامہ سارے مسالک کی خبر رکھتے تھے۔

جملہ معترضہ: علامہ اقبال سہیل کی عبقری شخصیت کے مولانا سید سلیمان ندویؒ معترف تھے، اپنی عدیم الفرصتی کے سبب علامہ شبلی کی سوانح کا کام مولانا عبدالسلام اور علامہ سہیل سے لینا چاہا تھا، علامہ اقبال سہیل مولانا شبلی کے ہم مسلک، ہم وطن، ہم برادری، ہمہ وقت کے حاضر باش، شاگرد رشید بلکہ ''کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ'' کے مصداق تھے، افسوس وکالت جیسے غیر ادبی پیشہ اور ملکی سیاست کا شکار ہو گئے، اردو ادب ایک نامور شاعر و ادیب نقاد سے محروم رہا۔

آمدم برسر مطلب: اقبال سہیل کی سیرت شبلی ضخامت میں کم (۱۷۵ صفحات) لیکن قدر و قیمت میں کم نہیں ہے، مصنف کی عقابی نگاہیں اس نکتہ پر مرکوز ہوئی ہیں جو اہل نظر سے پوشیدہ تھیں یا گم ہو گئی تھیں، وہ ہے علامہ شبلی کی اہل بیت اطہار خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مودت و عقیدت، سیرت شبلی کے دو اقتباسات جن پر مضمون کو ختم کیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال سہیل لکھتے ہیں مدرسہ علوم علی گڑھ اور سرسید علیہ الرحمہ سے علامہ شبلی کی وابستگی و وارفتگی میں ایک وجہ سرسید احمد کا دودمان رسالت کا چشم و چراغ ہونا بھی تھا، چنانچہ آگے لکھتے ہیں:

> ''مولانا کو عشق رسول کی بدولت سادات کے ساتھ مخصوص شیفتگی تھی، جس میں بعض اوقات تفضیلیت کی بھی ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے، ایک جگہ مولانا نے خود اس کا اعتراف کیا ہے''۔ (ص ۲۹)

دوبارہ لکھتے ہیں:

> ''مولانا کے رجحانات مذہبی میں بتدریج تغیرات ہوتے رہے ہیں، ان تمام مراحل میں چند معتقدات اور رجحانات علیٰ حالہٖ قائم رہے، حضور عالم اور اہل بیت اطہار کے ساتھ والہانہ شگفتگی''۔ (ص ۱۵۴)

اقبال سہیل نے علامہ شبلی کے عقائد کے بیان میں پورا صفحہ علامہ کی وسیع المشربی پر لکھ ڈالا ہے، آخری دوسطروں میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''استاذ محترم کو اس وسیع المشربی میں صرف ایک استثنا تھا، سرکار رسالت مآب (روحی فداہ) اور اہل بیت اطہار کی شان میں سوء ادب کا شائبہ بھی ناقابل

برداشت تھا‘‘۔(ص ۱۵۵)

ان اقتباسات سے ناچیز راقم السطور کو بہت حوصلہ اور تقویت حاصل ہوئی۔علامہ شبلی کی نثری نگارشات بھی بہ ایں عنوان معارف کے لیے زیر قلم لائی جائیں گی۔انشاء اللہ،علامہ شبلی کے نگارشات نثری سے ناچیز نے اعتقادات اہل بیت پر مواد جمع کیا ہے اور کتابی شکل اختیار کر گیا ہے۔

حوالہ جات

راقم نے کلیات شبلی سے اشعار رقم کرتے وقت نظم کا عنوان اور صفحہ نمبر لکھ دیا ہے لیکن موجودہ طریق کار کا حوالہ الگ سے لکھنے کا ہے اور معارف کا حکم بھی ہے اس لیے پابندی کرنا ہے۔

۱۔ نظام حکومت اسلام کلیات شبلی صفحہ نمبر ۴۲

۲۔ علامہ شبلی کی ایک ناتمام نظم ″ ″ ۱۱۶

۳۔ جرأت وصداقت ″ ″ ۴۱

۴۔ اہل بیت رسولؐ کی زندگی ″ ″ ۳۴

۵۔ معرکہ کانپور ″ ″ ۷۶

۶۔ علمائے زندانی ″ ″ ۷۸

۷۔ خواتین عرب کا اثبات واستقلال ″ ″ ۵۱

۸۔ ذوالفقار (ص ۸۸) پنج تن (ص ۷۴)
فتنۂ آخرالزماں (ص ۶۸)،ظہور امام

☆☆☆

اردو شاعری کا ترجمہ عربی زبان میں

(کلام اقبال کے حوالہ سے)

☆ پروفیسر محسن عثمانی ندوی

کسی ایک زبان کے شعری ادب کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا اور خاص طور پر منظوم ترجمہ کرنا بے حد مشکل ہے، منظوم ترجمہ کو بعض ناقدین ادب نے ناممکن قرار دیا ہے۔ ترجمہ کا فن بذات خود بہت مشکل فن ہے، ترجمہ ایک زبان کے ادب کو دوسرے زبان کے آئینہ میں دیکھنا ہے، تخلیقی ادب کے ایک فنکار کو یہ اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ دوسری زبان کے آئینہ میں اس ادب کی تصویر اتارنا کس قدر دشوار کام ہے اور یہ معاملہ کچھ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

آئینہ پر جوگزرنا ہو گزر جائے مگر　　آپ اپنی زلف برہم کو سنوارے جایئے

ایک شاعر محبت کے نزدیک زلف سنوارنے والے کو نہیں معلوم کہ بیچارے آئینہ پر کیا گزر رہی ہے اور وہ حسن و جمال کا عکس اتارنے میں کس زحمت کا سامنا کر رہا ہے، اسی طرح ایک زبان کے شاعر اور ادیب کو نہیں معلوم ہوتا ہے کہ بیچارے مترجم پر شعر و ادب کا ترجمہ کرنے میں کیا گزر جاتی ہے اور بہت سے مترجم ترجمہ کو بھاری پتھر سمجھ کر اسے چوم کر چھوڑ دیتے ہیں۔

ترجمہ کے معیار کے بارے میں دو نظریے پائے جاتے ہیں، ایک نظریہ تو یہ ہے ترجمہ کو ترجمہ معلوم بھی ہونا چاہیے اور دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ ترجمہ کو ترجمہ نہ معلوم ہونا چاہیے بلکہ اسے بھی ادبی خصوصیت کا حامل ہونا چاہیے اور اسے بھی پڑھ کر ذہن پر وہ تاثر پیدا ہونا چاہیے، جو کسی تخلیق کو پڑھ کر مرتب ہوتا ہے یعنی ترجمے کی زبان میں وہ شیرینی اور لطافت ہونی چاہیے جو اصل متن مین موجود ہے، جن حضرات نے ادبی کتابوں کے ترجمے پڑھے ہیں انہیں اندازہ ہوگا کہ کبھی کبھی ترجمہ اپنے حسن اور روانی میں اصل سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ احمد علی کا بہت مشہور ناول ہے ''دلی کی شام'' (Twilight in

☆ حیدرآباد، تلنگانہ۔

(Delhi)اس ناول میں چوں کہ کردار سب کے سب ہندوستانی ہیں اس لیے انگریزی زبان میں ڈائیلاگ مصنوعی معلوم ہوتے ہیں، لیکن جب بلقیس جہاں نے احمد علی کے ناول کا اردو میں ترجمہ کیا تو قلعہ معلیٰ کی اصل زبان ہونے کی وجہ سے اس کا رشتہ فوراً تہذیبی پس منظر سے جڑ گیا اور اس کے مقدمے میں خود مصنف احمد علی نے اعتراف کیا کہ یہ ترجمہ اصل ناول سے کہیں بہتر اور مؤثر ہے۔

ناول کا ترجمہ تو پھر بھی آسان ہے، کیوں کہ اس کا بڑا حصہ بیانیہ ہوتا ہے، یا مکالموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن دشوار ترین کام شاعری کا ترجمہ ہے، اسی لیے انگریزی زبان کے مشہور ادیب شاعر ونقاد ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ نے تو اپنا فیصلہ سنا دیا ہے کہ کسی زبان کی شاعری کا ترجمہ دوسری زبان میں ناممکن ہے، یہ فیصلہ اس لیے سامنے آیا کہ اس کے نزدیک اور بہت سے لوگوں کے نزدیک ترجمے کا اہم اصول یہ ہے کہ اصل میں کمی بیشی نہیں کی جائے۔ اس اصول کو سختی سے برتنے میں تو یقیناً ایک زبان کی شاعری کا دوسری زبان میں منتقل کرنا ناممکن ہوجائے گا، لیکن اگر تھوڑی بہت کمی بیشی کی اجازت مل جائے جس سے تخلیق کار کے مقصد کی اور مفہوم کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو تب تو راقم سطور کے نزدیک شاعری کا ترجمہ ممکنات سے ہے، کسی شاخ ہنر پر کوئی پھول کھلتا ہے تو آئینہ میں اس کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے، ہوسکتا ہے یہ تصویر بالکل ہو بہ ہو نہ ہو۔

ترجمہ اپنی نوعیت اور مقصد کے اعتبار سے تین طرح کا ہوتا ہے، ایک ترجمہ معلوماتی نوعیت کا ہوتا ہے، یعنی ایک زبان کی تحریر میں جو معلومات درج ہیں وہ دوسری زبان میں منتقل کردی جائیں، ظاہر ہے یہ ترجمہ بہت دشوار نہیں، ترجمے کی دوسری سطح تہذیبی ہوتی ہے، یعنی مترجم کا کام صرف لفظ کی جگہ دوسرے لفظ کا رکھنا نہیں ہوتا ہے، بلکہ ایک تہذیبی معنویت کو دوسری تہذیبی معنویت میں ڈھالنا ہوتا ہے، یہ ترجمہ پہلے ترجمے کے مقابلے میں نسبتاً مشکل ہے، ناولوں افسانوں اور ڈراموں کے ترجمے اسی ضمن میں آتے ہیں۔ ترجمے کی تیسری سطح جمالیاتی ہوتی ہے اور ''یہاں آکر رو دیتا ہے ابر نیساں'' یعنی یہ ترجمہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ شاعری کا ترجمہ اسی ضمن میں آتا ہے، یعنی مترجم کو اس جمالیاتی مسرت کو بھی منتقل کرنا پڑتا ہے جو ایک منظوم کلام کے اندر پوشیدہ ہوتی ہے، یعنی ترجمے کے اندر بھی وہی کیف و ارتعاش موجود ہو جو اصل متن پڑھ کر پیدا ہوتا ہے، جمالیاتی مسرت کا منتقل کرنا ترجمے کے مشکل مقامات میں سے ہے، مترجم اگر پوری دیانتداری کے ساتھ تمام الفاظ کا ترجمہ کرتا ہے اور اپنی طرف

سے کوئی کمی بیشی نہیں کرتا ہے تو انبساط کی کیفیت غائب ہوجاتی ہے،اور اگر انبساط و کیف کو منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے الفاظ میں کمی بیشی کرنی پڑتی ہے اور پھر ترجمے سے امانت اور دیانت رخصت ہوجاتی ہے، مترجم کو یہاں وفادارانہ بدصورتی (faithfull ugliness) اور غیر وفادارانہ حسن (faithless beauty) کے درمیان ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے اور شاعری کا ترجمہ وہی کامیاب اور بہتر سمجھا جائے گا، جس میں نشاط و انبساط اور جمالیاتی کیفیت بھی منتقل ہوسکے،لیکن یہ کام جوئے شیر لانے سے کم نہیں، بہت سے لوگوں نے اسے ناممکن سمجھ کر اس سے گریز کیا ہے،لیکن اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک زبان کی شاعری کے ترجمے دوسری زبان میں کیے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ اس میں تھوڑا بہت ردوبدل کرنا پڑتا ہے اور اسی ترمیم اور اضافے کی وجہ سے ایک مغربی نقاد سرجان ڈینہم (john deniham) نے اس کام کو حماقت قرار دیا ہے اور اس نے یہ اعلان کردیا ہے کہ شعر کی زبان اسپرٹ کی مانند ہوتی ہے اور دوسری زبان میں منظوم ترجمہ میں یہ اسپرٹ ہوا ہوجاتی ہے، نقاد نے یہ فیصلہ تو سنا دیا،لیکن بے شمار شعراء کے کلام کے منظوم ترجمے کیے گئے ہیں اور انہیں قبول عام بھی حاصل ہوا ہے، فردوسی، حافظ، عمر خیام، سعدی شیرازی، شیکسپیر ،ملٹن، گوئٹے، بایرن، اور شیلی کے اشعار کے کئی زبانوں میں منظوم ترجمے کیے گئے ہیں، ہم یہاں مثال کے طور پر علامہ اقبال کے اشعار کے منظوم عربی ترجمے پیش کرتے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ منظوم ترجمہ سچ مچ بہت مشکل ہے اور اس میں شاعرانہ فکر و خیال کو یا معانی کو تو منتقل کیا گیا ہے، کیف انبساط کو پوری طرح نہیں منتقل کیا جاسکا ہے، اقبال کا ایک شعر دیکھئے اور اس کے عربی ترجمے پر غور کیجیے:

قلندر جز دو حرف لا والا کچھ نہیں رکھتا فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

عربی ترجمہ: ان الفقير المتمرد على المجتمع ۔ يشير الى نفسه ۔ لا يملك الا كلمتين صغيرتين قد تغلغلتا فى احشائه وملكتا عليه فكره وعقيدته وهما "لا اله الا الله محمد رسول الله" وهنا لك علماء وفقهاء الواحد منهم يملك ثروة ضخمة من كلمات اللغة الحجازية ولكنه لا ينتفع بكنوزه۔ (روائع اقبال)

اقبال کے اردو شعر میں ۱۵۔۱۶ لفظ ہیں عربی کے نثری ترجمے میں ۵۰ الفاظ آگئے ہیں۔ یہ ترجمہ ہندوستان کے معروف عالم اور عربی زبان کے ادیب مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا کیا ہوا ہے۔

انہوں نے اقبال کی فکر کو عربی زبان کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور اپنی طرف سے توضیح کی کوشش میں الفاظ کا اضافہ کیا ہے مثال کے طور پر ''قلندر'' کا ترجمہ انہوں نے ''الفقیرالمتمرد علی المجتمع'' کیا ہے۔ یعنی ایسا فقیر جو سماج کے رسم و رواج سے باغی ہو۔ اب اقبال کے دو شعر دیکھئے:

به بند صوفی و ملا اسیری حیات از حکمت قرآن نه گیری
به آیاتش ترا کارے جزایں نیست که از یاسین او آساں بمیری

(ارمغان حجاز)

عربی ترجمہ: انك أيها المسلم لا تزال اسيراً للمتزعمين للدين المحتكرين للعلم ولا تستمد حياتك من حكمة القرآن رأساً، ان الكتاب الذى هو مصدر حياتك ومنبع قوتك لا اتصال لك به الا اذا حضرتك الوفاة فتقرأ عليك صورة ياسين لتموت بسهولة، فوا عجباً، قد اصبح الكتاب الذى انزل ليمنحك الحياة و القوة يتلى الآن لتموت براحة وسهولة۔

یہ ترجمہ بھی مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کا ہے اور اقبال پر ان کی عربی کتاب ''روائع اقبال'' میں موجود ہے، یہاں بھی ترجمہ میں اطناب موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مترجم کو لفظ کی جگہ پر دوسری زبان کا لفظ ہی نہیں رکھنا ہوتا ہے بلکہ اس لفظ کے وسیع معنی اور مستلزمات کو بھی منتقل کرنا پڑتا ہے مثال کے طور پر فارسی کے مذکورہ اشعار میں صوفی و ملا کا لفظ تعریفی اور مستحسن معانی میں نہیں ہے۔ صوفی عربی زبان کا لفظ ہے لیکن مستحسن معانی میں بھی اس کا استعمال ہے اس لیے مترجم نے متزعمین للدین کے الفاظ میں مفہوم منتقل کرنے کی کوشش کی ہے یعنی دین کے پرچم بردار، مذہبیت کا جھنڈا اٹھانے والے اور ملا کا لفظ یوں بھی اچھے مفہوم میں کم مستعمل ہے مولانا نے المحتکرین للعلم ترجمہ کیا ہے یعنی علم کے ٹھیکہ دار اور اجارہ دار۔ یہ اس لیے کہ ملا کا ترجمہ اگر عالم کیا جاتا تو صحیح نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ شعر میں ''ملا'' کا لفظ تحقیر کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ یہ مترجم کی مجبوری ہے کہ وہ ایک لفظ کی جگہ پر کئی الفاظ استعمال کرتا ہے۔ ''یاں لب پر لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں'' یعنی ترجمہ کا اضطراب مترجم کو ایک لفظ کے بدلہ کئی لفظ استعمال کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ مولانا علی میاںؒ کو عربی زبان پر ایسی کامل دستگاہ حاصل ہے جو ان کو اردو زبان پر ہے پھر بھی وہ ایک لفظ کی جگہ پر کئی لفظ لانے پر مجبور ہیں۔ اب اقبال کے کچھ دوسرے اشعار اور ان کا عربی ترجمہ مولانا علی میاںؒ کے قلم سے دیکھیے۔

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی ۔۔۔ تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق ۔۔۔ تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں ۔۔۔ تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج ۔۔۔ من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات ۔۔۔ تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

(بال جبرئیل)

ترجمہ: انزل فی اعماق قلبك وادخل فی قرارۃ شخصیتك حتی تکتشف سر الحیاۃ۔ما علیك اذا لم تنصفنی وتعرفنی ولکن انصف نفسك یا ھذا واعرفھا، وکن لھا وفیاً،ماظنك بعالم القلب وھو کلہ حرارۃ وسکر وحنان وشوق ،اما عالم الجسم فتجارۃ وزور واحتیال، ان ثروۃ القلب لا تفارق صاحبھا، اما ثروۃ الجسم فظل زائل ونعیم راحل، ان عالم القلب لم ار فیہ سلطۃ الافرنج ولا اختلاف الطبقات، ولقد کدت اذوب حیاءً وتندی جبینی عرقاً اذ قال لی حکیم !اذا خضعت لغیرك اصبحت لا تملك قلبك ولا جسمك۔

ترجمہ اچھا ہے، یہ شاعر اور مترجم کی وحدت جذبات اور فکر کی ہم آہنگی کی وجہ سے ہے، جو لوگ مولانا علی میاں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ سوز و مستی اور جذب و شوق کی کیفیت اور سکر و سرور کی لذت اور سوز دروں اور آتش عشق کی حرارت مولانا علی میاںؒ کے یہاں بھی پائی جاتی ہے،ان کی تحریروں میں محسوس کی جاتی ہے،مولانا ان لوگوں میں ہیں جن کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے ہاتھ میں علم کی جو نیام ہے اس مین عشق کی تیغ جگر دار بھی موجود ہے اور یہ تصوف کی اور اہل دل کی سوغات ہے۔تن کی دنیا سود و سودا و مکر و فن سے عبارت ہے۔اقبال کے کلام کے نثری عربی ترجمے کے لیے ان سے بہتر کوئی نام نہیں ہوسکتا تھا۔

مولانا علی میاںؒ نے اپنی کتاب روائع اقبال (اقبال کی شاہکار نظمیں) میں زیادہ تر ان نظموں کا انتخاب کیا ہے جو بال جبرئیل میں ہیں،ان نظموں میں اقبال کی نظم طارق کی دعا شامل ہے، جس کی ابتدا اس طرح سے ہوتی ہے:

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تونے بخشا ہے ذوق خدائی

دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

شہادت ہے مقصود ومطلوب مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے
قبا چاہیے اس کو خون عرب سے

ان اشعار کا ترجمہ کرنے کے لیے صرف عربی زبان پر مہارت اور قدرت کافی نہیں مترجم کو شاعر کا ہم خیال ہم فکر اور ہم احساس ہونا ضروری ہے۔اقبال کو مولانا علی میاںؒ جیسا ہم مشرب شخص مل گیا جس نے ترجمہ میں اپنا دل نکال کر رکھ دیا اور آخری دوشعروں کا ترجمہ مولانا نے کئی سطروں میں کیا ہے دس بارہ الفاظ کا ترجمہ تقریباً پچاس الفاظ میں، ترجمہ نہیں بلکہ ترجمانی ہے، اصل مختصر ہے لیکن ترجمہ طولانی ہے، اوراس میں دریا کی روانی اور طغیانی ہے۔

قال طارق: اللھم ! ان ھؤلاء الفتیان الذین الذین خرجوا جھادا فی سبیلك وابتغاء مرضاتك، رجال غامضون مجھولون لا یعرف سرھم وحقیقتھم غیرك لقد منحتھم طموحا وعلو ھمة، لا یرضون معه الا ان یکونوا سادة العالم، یحکمون الدنیا کلھا بحکمك، وینفذون فیھا أمرك، لا یعلوھم غیرك، أبطال مغاویر، تنفلق بھیبتھم البحار، وتنضوی لصولتھم الجبال، لقد ذاقوا لذة الایمان والحب، حتی استغنوا بھا عن العالم والمادة وھانت علیھم الدنیا وزخارفھا وشھواتھا، وذلك شأن الحب اذا خالطت بشاشة القلوب، ما جاء بھم من بلادھم النائیة الا الحنین الی الشھادة، التی ھی وطر المؤمن العزیز، وھمه الوحید، لا یفکرون فی العالم ولا فی فتح البلاد ولا فی بسط السیطرة والنفوذ علی العباد۔ ان العالم قد وقف علی شفا حفرة من النار لا یمنعه من التردی فی الھاویة الا ان یبذل العرب دماءھم ونفوسھم بسخاء وشجاعة، ان العالم بحاجة الی دم عربی ذکی، وفلا یروی غلیله ولا یشفی غلیله الا الدم العربی الطاھر، ان الازھاروا لورود فی الغابة لا یمتعه ان تسقی بھذا لدم القانی فترفل فی

حلته وقد قدمنا لنزرع نفوسنا لنغير دمائنا فی هذه الارض النائية لتخصب الانسانية بعد جدب طويل ويحل الربيع بعد انتظار شاق طال امده۔

یہ نثری ترجمہ تھا اس میں طارق بن زیاد اور اقبال اور مولانا ابوالحسن علی ندوی وحدت فکر و خیال کی وجہ سے ہم زبان نظر آتے ہیں۔ نثری ترجمہ کے بعد اب منظوم ترجمہ پر نظر ڈالتے ہیں، اقبال کی نظم ترانہ ملی ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں:

ترانۂ ملی

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا — مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے — آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا — ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا
تیغوں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں — خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا
مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری — تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

ان اشعار کا منظوم ترجمہ عرب شاعر صاوی شعلان نے کیا ہے انہوں نے پہلے اس کا مفہوم کسی اردوداں سے عربی میں لکھوایا اور پھر اسے شعر کا جامہ پہنایا عرب دنیا میں اقبال کے اس ملی ترانہ کو مقبولیت اس وقت ملی جب عرب دنیا کی مشہور مطربہ ام کلثوم نے اسے ساز اور آواز کے ساتھ پیش کیا۔ شاعر صاوی شعلان نے ترانہ ملی کا ترجمہ نشید المسلم کے نام سے اور شکوہ جواب شکوہ کا ترجمہ شکوی وجواب الشکوی کے نام سے کیا ہے۔ ترانہ ملی کا عربی ترجمہ دیکھیے:

الصين لنا والعرب لنا — والهند لنا والكل لنا
اضحى الاسلام لنا دينا — وجميع الكون لنا وطنا
توحيد الله لنا نور — اعددنا الروح له سكناً
الكون يزول ولا تمحى — فی الدهر صحائف سؤددنا
بنيت فی الارض معابدها — والبيت الأول كعبتنا
هو أول بيت نحفظه — بحياة الروح ويحفظنا
فی ظل السيف تربينا — وبنينا العزة لدولتنا

علم الاسلام علی الاما   شعار المجد لدولتنا
بهلال النصر یضیئ لنا   ویمثل خنجر سطوتنا
وأذان المسلم کان له   فی الغرب صدی من همتنا
قولوا السماء والکون لقد   طاولنا النجم برفعتنا

منظوم ترجمہ میں مترجم نے اشعار کے مفہوم کو باقی رکھا ہے لیکن پہلے شعر یعنی دو مصرعہ کا ترجمہ دو شعر میں یعنی چار مصرعوں میں مکمل ہوا ہے اسی طرح اقبال کے دوسرے شعر کا ترجمہ بھی دو شعروں میں یعنی چار مصرعوں میں مکمل ہوا ہے۔شاعر نے اپنی طرف سے بہت سے الفاظ برائے وزن وقافیہ بڑھا دیے۔شاعر نے کہا تھا ''توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے۔آساں نہیں مٹانا نام ونشاں ہمارا'' اب شاعر نے جن دو شعروں کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کا اردو میں ترجمہ کریں تو کچھ اس طرح کا ہوگا ''توحید خداوندی ہمارے لیے نور ہے اور ہم نے اس نور کے لیے فانوس اور گھر اپنی روح کو بنایا ہے۔یہ کون ومکان سب ختم ہو جائیں گے لیکن ہماری آقائی اور بالا دستی کے صحیفے مٹ نہیں سکیں گے۔'' اس ایک مثال سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ شعری ترجمہ کس قدر مشکل ہے۔ بعض مرتبہ تو شعری ترجمہ اصل سے بہت دور ہو جاتا ہے۔وہ اشعار خواہ بذات خود فنی اعتبار سے بہت اچھے ہوں لیکن اصل کو سامنے رکھیں تو ان اشعار کو صحیح ترجمہ کہنا مشکل ہوگا۔جواب شکوہ کے دو شعر اور ان کا ترجمہ دیکھئے جو صاوی شعلان کے قلم سے ہے:

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں   فکر فردا نہ کروں محو غم دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں   ہمنوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

عربی ترجمہ:

شکوای او نجوای فی هذا الدجی   ونجوم لیلی حسّدی او عوّدی
أمسیت فی الماضی اعیش کأنما   قطع الزمان طریق امسی عن غد
والطیر صادحة علی افنانها   تبکی الربی بأنینها المتجدد
قد طال تسهیدی وطال نشیدها   ومدامعی کالطل فی الغصن الندی
فالی متی صمتی کأنی زهرة   خرساء لم ترزق براعة منشد

صاوی شعلان قادر الکلام شاعر ہیں۔ان کے یہ منظوم اشعار اچھے ہیں، الفاظ کا انتخاب اچھا

ہے لیکن اس ترجمہ کو اصل سے مناسبت کم ہے، بس ایک تعلق ہے جو کسی بھی شعر کو دوسرے شعر سے ہوتا ہے۔ لیکن اسے ترجمے کا نام دینا مشکل ہے۔ عربی اشعار کو ہم اردو نثر میں منتقل کرتے ہیں اس سے اندازہ لگانا آسان ہے کہ کیا اسے اقبال کے اردو اشعار کا ترجمہ کہا جاسکتا ہے:

''میری شکایتیں میری سرگوشیاں شب تاریک میں (جاری ہیں) جب کہ رات کے روشن ستارے میرے رقیب اور میرے ناصح بن گئے ہیں، میں گذرے ہوئے زمانہ میں جیتا ہوں اور زمانہ نے ماضی کو مستقبل سے کاٹ دیا ہے۔ عنادل باغ میں شاخوں پر ترنم ریز ہیں اور ٹیلوں پر گریہ کناں ہیں۔ میری بیداری شب بھی مسلسل ہے اور پرندہ کی نواسنجی بھی مسلسل ہے اور میری چشم گوہر بار کی شبنم شاخ نم کی مانند ہے، میں کب تک خاموش رہوں کیا میں کوئی بے زبان پھول ہوں جسے بلبل کی نواسنجی بخشی نہیں گئی۔''

اوپر کی مثالوں سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ شعر کا شعر میں ترجمہ کرنا جوئے شیر لانا ہے یا ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش کرنا ہے۔ راقم سطور نے بھی اردو غزلوں کے نثری عربی ترجمے کی کوشش کی اور اس کے لیے عربی زبان میں ایک رسالہ ''اقلام واعدۃ'' کے نام سے نکالا تھا لیکن اردو اکیڈمی حیدرآباد اور قومی کونسل برائے فروغ اردو دونوں نے یہ کہہ کر مالی تعاون سے معذرت کی کہ اردو شاعری کا عربی ترجمہ ادارہ کے مقاصد میں داخل نہیں ہے۔ بہرحال کچھ غزلوں کے عربی ترجمے کیے گئے اور اس کام کی دشواریوں کا جو تجربہ ہوا اس کی ایک مثال یہ ہے کہ فراق گورکھپوری کی ایک غزل کا عربی ترجمہ کرنے بیٹھا، غزل کا مطلع یہ ہے:

ہوا ہے کون کسی کا عمر بھر پھر بھی　　　یہ حسن و عشق تو دھوکا ہے سب مگر پھر بھی

شعر میں مثال کے طور پر ''یہ حسن و عشق تو دھوکا ہے'' کا ترجمہ آسان ہے اور ہر زبان میں آسان ہے انگریزی کے لوگ انگریزی میں اور عربی والے عربی میں ترجمہ بلا مشقت کر سکتے ہیں۔ مگر اس کے بعد ''مگر پھر بھی'' کا ترجمہ آسان نہیں۔ کیونکہ یہاں مکمل نفی کے بعد تھوڑے سے اثبات کے لیے ''مگر پھر بھی'' کی ردیف ہے اور ردیف غزل کے ہر شعر میں موجود ہے۔ مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات۔ ابھی تک یہ مشکل لاینحل ہے۔ میرا ترجمہ صرف نثری ترجمہ تھا نثری ترجمہ میں جب مشکلات پیش آسکتی ہیں تو شعر کے شعر میں ترجمہ کرنے میں تو مشکلات کے پہاڑ کھڑے ہو سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود حسن و دلکشی والے ترجمے بھی مل جاتے ہیں اور کیے جاسکتے ہیں اردو شعر و ادب کا دوسری زبانوں میں تعارف ضروری بھی ہے اور ہاتف غیب سے یہ آواز آتی ہے:

حسن کا گنج گرانمایہ تجھے مل جاتا　　　تو نے فرہاد نہ کھودا کبھی ویرانہ دل

اخبار علمیہ

''تین ماہ میں قرآن مجید مع ترجمہ حفظ کرنے کا ریکارڈ''

مصر سے تعلق رکھنے والے بارہ سالہ نابینا عمار محمد سید نے قرآن مجید کو ۱۰؍ مختلف قرأتوں میں حفظ کر کے ریکارڈ قائم کیا ہے۔ عربی متن کے ساتھ انگریزی اور فرانسیسی زبان میں ترجمہ، منازل، احزاب، آیت اور صفحہ نمبر بھی اسے یاد ہے۔ گزشتہ دنوں عمار نے مصر میں ہونے والے پچیسویں عالمی مقابلۂ حفظ میں قرآن میں پہلی پوزیشن حاصل کر کے سب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ مصری وزیر اوقاف محمد مختار نے اسے خصوصی ایوارڈ اور جامعہ ازہر کے شیخ احمد الطیب نے جامعہ کی جانب سے اسے اعزازی سند عطا فرمائی۔ ممتاز قرا، جید علما و شیوخ کے سامنے قرآن کے مختلف مقامات کی اس سے تلاوت کرائی گئی۔ آیتوں اور صفحوں کے نمبرات پوچھے گئے، پھر انگریزی اور فرانسیسی ترجمے بھی سنے گئے، یہاں تک کہ وزیر اوقاف ڈاکٹر جمعہ نے اس کو اپنے آفس میں بلاکر تفصیلی امتحان لیا، ان کا بیان ہے کہ اس نے ایک بھی غلطی نہیں کی۔ والد نے بتایا کہ اسے پڑھانے کے لیے انہوں نے مختلف ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کیں، فرانسیسی اور انگریزی ترجمے کے لیے الگ الگ اساتذہ رکھے۔ عمار شمالی مصر کے پسماندہ صحرائی علاقہ ''عرب تل الجراد'' کا رہنے والا ہے۔ جامعہ ازہر میں اس کا داخلہ کروایا گیا اور ڈاکٹریٹ تک اس کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ بھی کیا گیا ہے، اس کے علاوہ جامعہ نے اس کو حفظ کرانے والے استاد کو توصیفی سند دینے اور انہیں اپنے خرچ پر حج کے لیے بھیجے جانے کا اعلان کیا ہے۔ والد کے بیان کے مطابق اس نے صرف ۸ سال کی عمر میں تین ماہ میں پورا قرآن یاد کیا۔ پھر قرأت عشرہ کی تعلیم کے لیے ''بلاشون'' بھیجا، اب وہ عربی صرف ونحو اور پورے قرآن کی ترکیب (یعنی قواعد کے لحاظ سے اجزائے کلام کی شناخت) اور قرأت شاذہ کی تحصیل میں مصروف ہے۔ جاہلیت، دور اموی اور بعد کے زمانے کے عربی قصائد اور سبعہ معلقات اس کو ازبر ہیں، صحاح ستہ اور طٰہٰ حسین، نجیب محفوظ، عقاد، منفلوطی اور انگریزی اور فرانسیسی ادب کی بعض اہم کتابیں بھی اس کے مطالعہ میں رہیں۔ پچھلے برس عمار نے عرب ممالک کے حفاظ قرآن کے مابین ہونے والے مقابلۂ دبئی میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ اس کے استاد احمد سید عبدالقادر یوسف کے بیان کے مطابق

کسی بھی عبارت کو ۲ سے ۳ مرتبہ سننے کے بعد یاد کر لیتا ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ اس بچے کو میرے پاس ابھی صرف ۲ ماہ ہوئے ہیں اور اس نے ۸۵۰/اشعار پر مشتمل سبعہ معلقات یاد کر لیے ہیں۔

(منصف،حیدرآباد، ۲۰ جولائی ۲۰۱۹ء،ص ۸)

''خطۂ زمین پر پانی کی آمد''

زمین پر اس قدر بڑی مقدار میں پانی کہاں سے اور کب آیا؟ یہ سوال ماہرین فلکیات کے نزدیک شروع سے زیر بحث رہا ہے اور اس کی تحقیق میں سائنس داں مستقل طور پر لگے ہوئے ہیں۔ایک خبر کے مطابق حال ہی میں جرمن یونیورسٹی آف متنسٹر کے ماہرین فلکیات نے ان دونوں سوالات کے اطمینان بخش جوابات کے حصول میں کسی قدر کامیابی حاصل کر لی ہے،ان کی تحقیق ہے کہ ۴ء۴ بلین یعنی ساڑھے چار ارب سال پہلے زمین پر پانی اس وقت بننا شروع ہوا جب ''تھیا'' نامی خارجی جسم زمین سے ٹکرایا جس کا حجم مریخ کے برابر تھا،اس کے تصادم سے زمین کا ایک ٹکڑا الگ ہو کر چاند بن گیا اور اس خارج مادہ کی آمیزش سے زمین پر پانی بننے لگا، تحقیقی جرنل ''نیچر ایسٹرونومی'' میں شائع مقالہ میں تھیا (Thia) کے بارے میں تازہ تحقیق یہ پیش کی گئی ہے کہ یہ نظام شمسی سے باہر کی دنیا سے آیا تھا اور پانی کی ایک مقدار اپنے ساتھ لایا تھا، یہ جدید تحقیق قرآن مجید کی اس آیت ''وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡكَنّٰهُ فِى الۡاَرۡضِ''(المومنون: ۲۳/ ۱۸) سے کسی قدر مطابقت رکھتی ہے۔

(اردو سائنس،ماہنامہ،نئی دہلی جولائی ۲۰۱۹ء،ص ۳۴)

''ہندوستان میں کینسر کے مریضوں کی بڑھتی تعداد پر تازہ تحقیق''

آئندہ عشروں میں ہندوستان بالخصوص اتر پردیش، بہار، جھارکھنڈ، اتراکھنڈ، مدھیہ پردیش، چھتیس گڑھ، اڈیشہ اور راجستھان میں کینسر کے مریضوں کی تعداد میں زبردست اضافہ کا اندیشہ ہے اور یہاں ہر بیس سال میں اس بیماری کے معاملے دوگنا ہو جائیں گے۔ ۲۰۱۸ء میں گیارہ لاکھ ۵۰ ہزار معاملے سامنے آئے تھے اور ۲۰۴۰ء تک اس تعداد میں دوگنا اضافہ کا امکان ہے۔ ۱۹۹۰ء سے ۲۰۱۶ء تک کینسر سے مرنے والوں کی شرح بھی دوگنی ہوگئی ہے۔ ہسٹری آف دی گروئنگ برڈن آف کینسر ان انڈیا کے تحقیقی مطالعہ میں اس دلیل کو خارج کیا گیا ہے کہ یہ بیماری جدید طرز زندگی یا مغربی تہذیب کی دین ہے، رپورٹ کے مطابق عام لوگوں کی بڑھتی شرح عمر اس کی خاص وجہ ہے، یہ مطالعہ

کنگس کالج لندن سے وابستہ رابرٹ ڈی اسمتھ اور ٹاٹا میڈیکل سینٹر کے شعبہ امراض ہاضمہ سے وابستہ موہن داس کے ملّاتھ نے مشترکہ طور پر کیا ہے۔ دونوں نے مل کر برٹش لائبریری لندن اور ویلکم کلکشن لائبریری میں گذشتہ دوسو سالوں کے دوران ہندوستان میں کینسر سے متعلقہ مختلف شائع شدہ تحقیقات کا مطالعہ کیا، قدیم وجدید اندازوں اور تحقیقات کے باہم تقابلی مطالعہ سے ان کے سامنے ہندوستان میں کینسر کے سفر کی ایک صاف تصویر سامنے آئی، رپورٹ میں ایک دلچسپ بات یہ بھی درج ہے کہ ہندوستان میں یہ بیماری صدیوں پرانی ہے، متعدد قدیم کتابوں میں اس بیماری سے ملتی جلتی علامتوں کا ذکر کرتے ہوئے اس کے علاج اور تحفظ کی تدبیریں بتائی گئی ہیں۔ یہ تحقیق جرنل آف گلوبل آنکیالوجی میں شائع ہوئی ہے۔ (روزنامہ ہندوستان، ہندی، ۱۹/اگست ۲۰۱۹ء، ص ۱۴)

''ایس ایس یو کے نادر مخطوطات''

بنارس میں سمپورنا نند سنسکرت یونیورسٹی ۲۲۸ سال پرانی ہے، اس کے کیمپس میں سرسوتی بھون لائبریری میں نہایت نادر مخطوطات و دستاویزات ہیں، اس میں گیارہویں صدی عیسوی میں آب زر سے لکھا ہوا قدیم دیوناگری مخطوطہ ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ صرف اسی لائبریری میں دستیاب ہے، ٹائمس آف انڈیا کی رپورٹ کے مطابق کھجور کی پتیوں، برچ کی چھالوں اور چمڑوں پر کندہ تقریباً ایک لاکھ گیارہ ہزار دستاویزات ہیں، قدیم دستاویزات میں ۸۸ ہزار ۸ سو ۸ دیوناگری، ۱۳/ ہزار ۶ ۳۶ ۷ بنگلہ، ۱/ ہزار ۵۱ ۴ میتھلی اور ایک ہزار ۱۰۱ گرنتھ ہیں، تاہم اس بیش قیمت علمی وتہذیبی ورثہ کی حفاظت کا جیسا معقول انتظام ہونا چاہیے ویسا نہیں ہو پارہا ہے۔ تقریباً تمام مخطوطات ۴ سال پرانے اور خستہ حالت میں ہیں۔ ان کی تابانی و چمک دمک بتدریج زائل ہورہی ہے، مخطوطات کو تو نمی یا سیلن سے محفوظ رکھنے کے لیے عام کیمیکل کپڑوں اور سرخ دھجیوں میں لپیٹ کر رکھا گیا ہے تاہم نگرانی کے نام پر صرف لائبریرین اور مخطوطات انچارج ہیں، حالانکہ اس کے لیے مناسب اور حسب حال عملہ ہونا چاہیے، مزے کی بات یہ ہے کہ جرمنی، امریکہ اور جاپان وغیرہ سے محققین مطالعہ کے لیے یہاں اکثر آتے رہتے ہیں۔ (ٹائمس آف انڈیا، وارانسی، یکم/اگست ۲۰۱۹ء، ص ۱)

ک، ص، اصلاحی

باب التقریظ والانتقاد

ایمانی نصیحتوں کی جرعہ کشی

اور یونانی فضیحتوں کی پردہ دری

(رشف النصائح الایمانیۃ و کشف الفضائح الیونانیۃ)

(از شیخ شہاب الدین عمر سہروردی)

☆ڈاکٹر عارف نوشاہی

فلسفہ اور فلاسفہ ستیزی کی روایت انسانی معاشرے میں پرانی ہے۔ خاص اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کلام کا جائزہ لیا جائے تو فلسفہ کے خلاف برسر پیکار ہمیں ہر طبقے کے نامور لوگ ملتے ہیں کیا متکلمین، کیا فقہا، کیا عرفا اور کیا شعرا حتی کہ بعض مورّخین بھی۔ یہ سلسلہ پانچویں صدی ہجری/گیارہویں صدی عیسوی میں امام ابوحامد محمد غزالی (۴۵۰-۵۰۵ھ/۱۰۵۸-۱۱۱۱ء) کی تہافۃ الفلاسفہ سے زور پکڑتا ہے اور ہمارے دور میں محمد اقبال (۱۸۷۷-۱۹۳۸ء) کی شاعری میں اس کی زوردار بازگشت سنائی دیتی ہے۔ درمیانی صدیوں میں تاریخ کے کتنے ہی بڑے نام ملتے ہیں جنھوں نے یہ فریضہ انجام دیا: شہرستانی، ابن جوزی، فخر رازی، ابن تیمیہ، ابن قیم جوزی، ابن عربی، ابن خلدون۔ عارف مشرب شعرا کی صف میں خاقانی، عطار اور رومی کھڑے آتے ہیں۔ ہر ایک کی مخالفت کے محرکات الگ الگ ہیں جس سے یہاں بحث نہیں ہے۔(۱)

غزالی کے بعد فلسفہ ستیزی میں سب سے نمایاں نام شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی (۵۳۹-۶۳۲ھ) کا ہے جو برصغیر میں مصنف عوارف المعارف اور شیخ سلسلۂ سہروردیہ کے طور پر زیادہ شہرت رکھتے ہیں لیکن ان کی زیر نظر تصنیف رشف النصائح الایمانیہ وکشف الفضائح الیونانیہ ہمارے

☆ادارہ معارف نوشاہیہ، ۶۹ ماڈل ٹاؤن، ہمک، اسلام آباد، پاکستان۔

ہاں چنداں متعارف نہیں ہے۔ نہ صرف یہ، بلکہ ایک محتاط رائے کے مطابق پاکستان کی حدود میں اس کتاب کا کوئی قلمی نسخہ بھی تاحال سامنے نہیں آیا۔ میں یہ بات ڈاکٹر احمد خان کے مرتبہ فہرس المخطوطات العربیۃ فی باکستان کی شائع شدہ نو جلدوں کی روشنی میں لکھ رہا ہوں۔

غزالی اور ان کی تہافۃ الفلاسفہ کے ظہور کے بعد عقل (فلسفہ) کی مخالفت کی جو لہر چلی تھی وہ ہمیں شیخ الشیوخ کی مذکورہ کتاب میں ٹھاٹھیں مارتی دکھائی دیتی ہے۔ فلسفے کے خلاف خود متن میں ہی کیا کم عصبیت تھی کہ آٹھویں صدی ہجری میں ایک ایرانی مترجم معین الدین جمال معلم یزدی (وفات: ۷۸۹ھ) نے اس کا فارسی ترجمہ کرتے وقت اپنی طرف سے رنگ چوکھا ڈال دیا اور اسے ردّ فلسفہ سے زیادہ ردّ فلاسفہ بنا دیا! اگر شیخ سہروردی اپنی کتاب میں خلیفۂ وقت الناصر الدین کے اشارے سے ابن سینا کی کتاب الشفا کی دس جلدوں کو پانی سے غسل دینے کا ذکر شکر گزاری کے احساس سے کرتے ہیں (۲) تو معلم یزدی ۷۶۰ھ میں سلطان سعید مبارز الدین محمد بن مظفر یزدی کے حکم سے اپنے زیر نگیں علاقوں فارس، کرمان، یزد، اصفہان اور لُرستان میں فلسفہ اور نجوم کی تین چار ہزار کتابیں پانی سے دھو دینے کا ذکر بھی بڑی شادمانی سے کرتا ہے۔ (۳) معلم یزدی نے رشف کا یہ فارسی ترجمہ اسی غسّالِ کتاب سلطان سعید کے پوتے شاہ یحییٰ بن شاہ مظفر کے حکم پر کیا تھا (۴)۔ ذرا سوچیے اس دور میں اگر کتابوں کے ساتھ یہ سلوک تھا تو بے چارے فلسفی اور ان کتب کے مصنّفین (اگر زندہ تھے) جان کی امان کہاں پاتے ہوں گے۔ چنانچہ معلم یزدی اپنے ممدوح سے توقع رکھتا ہے کہ وہ بھی اپنے جدّ کی طرح آثارِ فلسفہ مٹا کر، فلسفہ کی کتابوں کو دھو کر، ان کتابوں کے مطالعہ میں مشغول رہنے والوں کو دیس نکالا دے کر، ان کتب کے مطالعہ پر اصرار کرنے والوں کو قتل کروا کر اپنی سلطنت کے باغ کو ہرا بھرا رکھے گا! (۵) آٹھویں صدی ہجری میں ایران میں فلسفہ دشمنی اور کتاب شوئی کی اس سے زیادہ بھیانک مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟ بے چارے علامہ شبلی نعمانی ساری عمر کتب خانۂ اسکندریہ کے مسلمانوں کے ہاتھوں جلائے جانے کا الزام دھوتے رہے، یہاں تو خود قلمروِ اسلامی میں کتابیں دھوئی جا رہی تھیں۔

☆☆☆

کرم فرمائے دیرینہ سید اویس علی سہروردی نے ۲۰۱۷ء کی گرمیوں میں رشف کے اردو ترجمے کا مسودہ اپنے مقدمات سمیت میرے پاس بھیجا کہ میں اس پر تقریظ لکھ دوں۔ رشف سے

میری کئی نسبتیں ہیں۔رشف کے فارسی ترجمے کے مرتّب نجیب مائل ہروی، اردو مترجم غلام حسن حسنو اور اس ترجمے کی اشاعت کا اہتمام کرنے والے سہروردی صاحب تینوں ہی سے پرانا تعلق ہے۔میں نے مسودہ الٹ پلٹ کر دیکھا لیکن یہ میری گرفت میں نہ آسکا۔وجہ مجھ پر تو عیاں تھی کہ فلسفہ اور ردّ فلسفہ میرا کبھی موضوع مطالعہ نہیں رہا۔کتاب پڑھے یا سمجھے بغیر میں کیا تقریظ لکھتا اور اس کی اہمیت کیوں کر بتاتا؟ میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے سہروردی صاحب سے عذر پیش کیا تو مسموع نہ ہوا۔ ۲۰۱۸ء کی گرمیاں آگئیں تو پھر ایک روز سہروردی صاحب کی طرف سے کاغذوں کا وہی پلندا موصول ہوا جس کے ساتھ نہایت رقت آمیز لہجے کا خط اور تقریظ نویسی کی وہی پرانی فرمائش تھی۔اس ایک سال میں میرے شعور کی سطح تو بلند نہیں ہوئی تھی کہ میں اب رشف کو سمجھنے لگا تھا، لیکن سہروردی صاحب برابر اس حسن ظن کا شکار تھے کہ اس کتاب پر میری تقریظ سے ان کے کام کی وقعت بڑھ جائے گی!

اگر میں تقریظ نویسی کا روایتی انداز اپناؤں تو آنکھیں بند کر کے کتاب، مصنف/ مترجم/ مرتّب کی مدح وستائش میں چند جملے لکھ دینا کس قدر آسان کام ہے۔لیکن یہاں شیخ الشیوخ کی ذات درمیان میں ہے اور کتاب کا موضوع نہایت اہم ہے۔ادب اور احتیاط کا تقاضا ہے کہ خاموش رہوں۔نفس مضمون پر بات وہی کرسکتا ہے جس نے عقلیات اور ایمانیات یا فلسفے اور عرفانیات کی آویزش کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہو۔دوسرے لفظوں میں اسلامی فلسفے کی تاریخ سے کماحقہ واقف ہو۔یہ کام کسی ماہر مضمون سے لیا جانا چاہیے تھا، میں کیا اور میری رائے زنی کیا۔رہی بات اردو ترجمے کی تو اس پر بات ہوسکتی ہے۔

کتاب کے مقدمے میں بتایا گیا ہے کہ اردو مترجم نے پہلی بار اس کا اردو ترجمہ کرنے کی خود میں صلاحیت اور ہمت نہ پائی اور انکار کردیا لیکن سہروردی صاحب کی ہمت افزائی اور اصرار پر پھر اس کام میں لگ گئے اور کچھ غیبی قوتوں کی امداد سے یہ ترجمہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوگئے! کسی بھی کام میں غیبی قوتوں کی امداد سے انکار نہیں ہے۔حافظ شیرازی فرما گئے ہیں:

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

لیکن مترجم کے لیے غیبی امداد کے ساتھ ساتھ کتاب کے موضوع پر عبور، زبان دانی اور شعری ذوق کا حامل ہونا اولین شرط ہے۔

اگر سہروردی صاحب کا مطمح نظر شیخ الشیوخ کے فکر کی اصالت کو فروغ دینا تھا تو مجھے نہیں

معلوم انھوں نے شیخ الشیوخ کی عربی رشف کا ترجمہ کرنے کے بجاے پہلے اس کے فارسی ترجمے کو اردو میں منتقل کرنے کا انتخاب کیوں کیا؟ جب کہ رشف کا فارسی ترجمہ مصنف سے زیادہ مترجم کے خیالات اور تعصّبات کا عکاس ہے۔ گویا اس اردو ترجمے کے ذریعے ہم رشف کے بنیادی موضوع (ردّ فلسفہ و فلاسفہ) کا مطالعہ شیخ الشیوخ کی نظر سے نہیں بلکہ معلم یزدی کی عینک لگا کر کریں گے۔

فکر و فلسفہ پر مبنی کتب کے ترجمے کا انداز کسی ناول، افسانے، قصّے کہانی کے ترجمے سے بالکل مختلف تقاضا کرتا ہے۔ ادبی کتابوں میں ترجمانی بھی چل جاتی ہے لیکن فکری کتابوں میں متن کا پابند رہنا پڑتا ہے تاکہ مصنف کے افکار میں تحریف نہ ہو۔ بے شک سہروردی صاحب نے اپنے مقدمے میں اس ترجمے کی نوعیت بتادی ہے کہ ''نہ لفظی ہے نہ آزاد، بلکہ مفہوم و مطالب کو آسان جملوں میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔'' یہی وجہ ہے اگر ہم زیر نظر اردو ترجمے کو متن سے الگ کر کے دیکھیں تو ہمیں اس میں ایک روانی نظر آتی ہے اور مترجم کی ہمت کو داد دینا پڑتی ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کا ایک ایسا فارسی متن جو عربی اصطلاحات، کلمات اور ترکیبات سے لبریز ہے، وہ اسے اردو کے تنگ دائرے میں لے آئے ہیں۔ لیکن جب ہم اس ترجمے کو متن (فارسی) سے ملا کر دیکھتے ہیں تو صورت حال قدرے مختلف ہے۔ فارسی اشعار کے معاملے میں متن اور ترجمے کا بُعد نمایاں ہے۔(۶)

کیا ہی بہتر ہوتا ترجمے میں درج فارسی اشعار کا ایک بار اصل سے مقابلہ کرلیا جاتا اور صحت الفاظ کا مزید اہتمام کیا جاتا۔ شعر میں ایک لفظ کا آگے پیچھے ہوجانا نہ صرف پورے شعر کا لطف غارت کردیتا ہے بلکہ اس کا مفہوم بھی غتر بود ہوجاتا ہے۔ شعروں پر ہی کیا موقوف، پوری کتاب اگر مزید ایک دفعہ کسی ماہر پروف خوان سے پڑھوالی جاتی تو اس میں کتابت کی اغلاط کا تناسب کم ہوجاتا۔

غلام حسن حسنو صاحب، سید اویس علی سہروردی صاحب اور ان کے تمام معاونین مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ایک ایسی ضخیم کتاب جس کے صحیح معنی میں قارئین کی تعداد اب بہت کم رہ گئی ہے، اس کی اشاعت خالص علم اور اپنے سلسلۂ جلیلہ کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہوکر انجام دی ہے۔

شرح رشف النصائح الایمانیۃ و کشف الفضائح الیونانیۃ

تالیف: شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی

فارسی شرح: معین الدین جمال معلم یزدی

اردو ترجمہ: غلام حسن حسنو
نظر ثانی، مقدمہ، تدوین و اہتمام: سید اویس علی سہروردی
اورینٹل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء، ۵۶۰ صفحات، قیمت ۱۶۰۰ روپے

☆☆☆

جی چاہتا ہے ان سطور کو اپنے کرم فرمائے دیرینہ کے ذکر جمیل پر ختم کروں، معلوم نہیں پھر کب فرصت ملے۔ سید اویس علی سہروردی (جنھیں ان کے منہ پر ہم صرف ''شاہ صاحب'' کہہ کر پکارتے ہیں) سے آشنائی گذشتہ عیسوی صدی کی اسّی کی دہائی میں اس وقت ہوئی جب وہ باسکٹ بال کے سروقد، پھرتیلے، وجیہ کھلاڑی تھے، چہرے پر ڈاڑھی نہیں تھی یا اگر تھی تو بہت ہلکی (بر سبیل مزاح: اب تو لمبے محاسن شریف کے ساتھ بالکل پیر طریقت بن گئے ہیں)۔ علم کی لگن تھی اور کچھ کرنے کا عزم۔ مرکزِ علم لاہور تھا لیکن وہ لاہور چھوڑ کر اسلام آباد میرے پاس آتے اور ہم سیکٹر F-6 کی سپر مارکیٹ کے کسی رستوران میں بیٹھ کر اپنے اپنے عزائم، آرمانوں اور امیدوں کا اظہار کرتے۔ اویس صاحب نے بعد میں اپنے عزائم کے اظہار کا وسیلہ تلاش کر لیا اور ایک علمی پرچے سہرورد کی بنیاد ڈالی اور اس میں کئی علمی مقالات شائع کیے۔ لیکن اس کے گیارہ شمارے چھاپ کر یہ سلسلہ ختم کر دیا اور کتب کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس مقصد کے لیے اورینٹل پبلی کیشنز نام سے اپنا ادارہ قائم کر کے نہ صرف اپنے سلسلۂ عالیہ (سہروردیہ) اور اپنے شیوخ طریقت کی کتب شائع کر چکے ہیں بلکہ میرے ساتھ کرم فرمائی کرتے ہوئے پہلے میرے اردو مقالات کا مجموعہ نقد عمر چھاپا (۲۰۰۵ء، دوسری اشاعت ۲۰۱۹ء میں متوقع ہے)، پھر میرا مرتّبہ ضخیم تذکرۂ شعرائے نوشاہیہ (تصنیف: سید شریف احمد شرافت نوشاہی) شائع کیا (۲۰۰۷ء)۔ وہ بہت کچھ کرنے کا اب بھی ارادہ اور عزم رکھتے ہیں، چونکہ مرورِ زمانہ اور ستم ہائے روزگار انسان کی ذات، صحت، خیالات اور حالات پر اثر انداز ہوتے ہیں، اب انھوں نے اپنی ترجیحات محدود کر لی ہیں۔ چنانچہ مجھے لکھتے ہیں:

> ''میں عمر کی آخری منزلوں میں ہوں اور رشف کو جلد شائع کرنا چاہتا ہوں۔ میرے بعد نہ جانے میرے مسودات کا کیا ہو؟............ میں اپنی ذات میں نہایت مطمئن اور قانع شخص ہوں۔ میں نے ساری عمر سخت محنت کی اور کر رہا ہوں مگر وہ بارآور نہیں ہو سکی''۔ (۷)

میرا اپنا احساس یہ ہے کہ اگر انھیں لاہور میں فن تحقیق کا کوئی ''شیخ کامل'' میسر آجاتا اور انھیں منازل سلوک طے کروادیتا اور گنبد تحقیق میں بٹھا کر چلہ کشی میں ڈالتا تو اُن کے اسّی کی دہائی کے علمی منصوبے۔ اگر سارے نہیں تو بیشتر۔ اب جامۂ عمل پہن چکے ہوتے۔ بے شک انھوں نے لاہور کی مجلسی زندگی میں بڑے بڑے محققوں کی آنکھیں دیکھی ہیں لیکن ان میں سے کسی نے ان کی انگلی پکڑ کر اپنے ساتھ نہیں چلایا۔ وہ خودرَو پودے کی طرح اُگے، سایہ افگن ہوئے اور اب اپنے حال میں مست ہیں۔

فقیر لوگ رہے اپنے اپنے حال میں مست نہیں تو شہر کا نقشہ بدل چکا ہوتا

حواشی

(۱) مجید صادقی حسن آبادی ''جدال تاریخی عارفان با فلاسفہ''، مجموعہ مقالات ہمایش بین المللی ابن سینا، دانشگاہ ہمدان، ہمدان ص ۱-۱۵۔ (۲) شہاب الدین عمر سہروردی، کشف الفضائح الیونانیہ و رشف النصائح الایمانیہ، تحقیق و تعلیق عائشہ یوسف المناعی، دار السلام، قاہرہ ۱۹۹۹ء، قسم ثانی، ص ۸۶۔ (۳) معلم یزدی، معین الدین جمال، رشف النصائح الایمانیہ و کشف الفضائح الیونانیہ، بہ تصحیح و توضیح نجیب مائل ہروی، چاپ و نشر بنیاد، تہران، ۱۳۶۵ش، ص ۸۲-۸۳۔ عربی ایڈیشن اور فارسی ترجمے میں کتاب کے نام کے اجزاے ترکیبی میں تقدیم و تاخیر ہے۔ عربی ایڈیشن میں کشف پہلے ہے اور فارسی ایڈیشن میں رشف پہلے ہے۔ (۴) ایضاً، ص ۵۴-۵۵۔ (۵) ایضاً، ص ۵۶۔ (۶) باب دوم سے ترجمے کی دو مثالیں:

بر در آن قبلۂ ہر دیدہ ای سہو شدہ سجدۂ شوریدہ ای

گشتہ گلستان وی آن ہشت باغ بر ہمہ گلبرگ و بر ابلیس داغ

''تو تو ہر آنکھ کی قبلہ (تارا) ہے، اسی طرح تو وہ سہو شدہ سجدہ ہے جو کسی عاشق زار سے چھوٹ گیا تھا، باغ بہشت تو ان کے لیے گلستان بنا اور وہ اس کے مزے لوٹنے لگے لیکن اس گلستان کا ہر پتہ ابلیس کے لیے داغ لعنت سے کم نہیں ہے''۔

ز گوہر سفتن استادان ہراسند کہ قدر و قیمت گوہر شناسند

''پروئے ہوئے موتی کی قدر و قیمت جاننے والے ماہرین ڈر جاتے ہیں''۔

(۷) مکتوب سید اویس علی سہروردی بنام عارف نوشاہی محررہ ۱۶ مئی ۲۰۱۸ء

ادبیات

حمد باری تعالیٰ

☆ جناب علی الیاس عاجزؔ انصاری

منت کشِ خدا رہا میں تادم ممات
مشکور کیوں نہ ہو مری ہر ہر رگِ حیات

رطب اللسان حمد میں تیری یہ کائنات
تصدیق میں مری ہیں یہ آیاتِ بیّنات

لاریب تو ہے خالق دنیائے شش جہات
تیری عبودیت سے بھلا کس کو ہو نجات

ہر عیب سے تو پاک ہے، اعلیٰ ہے تیری ذات
محتاج تیرا ذرہ تو محتاج کائنات

اعجاز انبیا بھی ہے تیرے بدوں محال
دم سے ترے ہیں ارض و سما کے یہ معجزات

عہد طفولیت ہو کہ پیری ہو یا شباب
شاہد ربوبیت پہ ہے ہر نفس کائنات

جلوہ ترا ہے چار سو، ہر جا ترا ظہور
پرتو جہاں ہے تیرا، تو ہے روح کائنات

ماہی بدون آب رہے زندہ تا بکے
اسلام میں فقط تری عاجزؔ رہ نجات

☆……☆

☆ معرفت وسیم اختر مخل، پوسٹ آفس متھیا، وایا چوہری، پی، ایس، جان پٹیا، ضلع مغربی چمپارن (بہار)۔

نعت

☆ جناب ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

کیوں کسی سمت دیکھوں، انؐ کا کہلانے کے بعد
بالارادہ کیسے بھٹکوں، راہ پر آنے کے بعد

بے شک انساں کو ہدایت آپؐ کے در پر ملی
مدتوں تک دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد

پوچھیے تاریخ کے اوراق سے حال جہاں
آپؐ کے آنے سے پہلے، آپؐ کے جانے کے بعد

جانے کب سے ہر طرف تاریکیوں کا راج تھا
جگمگائی ہے یہ دنیا، آپؐ کے آنے کے بعد

ایک ایک لمحہ مثالی، زندگی کا جس کی ہو
پھر نہ اٹھا کوئی رہبر، انؐ کے اٹھ جانے کے بعد

آخری پیغام رب، دنیا کو وہ دے کر گئے
پرچم توحید بحر و بر میں لہرانے کے بعد

کیا سمجھ سکتا ہے کوئی انؐ کے رتبے کو رئیسؔ
میری ٹھوکر میں ہے دنیا، انؐ کا بن جانے کے بعد

☆......☆

☆ نعمانی منزل۔ ۴/ ۲۰۴، جے۔ ۲۴، نزد ابوہریرہ مسجد، ہمدرد نگر۔ بی، جمال پور، علی گڑھ۔

غزل

☆جناب پروفیسر حیات عامر حسینی

اے شمیم وردۂ باغ بہار
اے ردائے کشتۂ لیل و نہار
اے فریب عاشقی جان زمن
اے طریق سبزۂ نوآشکار
اے فشار جام جم، رقص سبو
دیدنی رقصِ صبا، چشم خمار
من ندانم داستان دلبری
اے اسیر نغمۂ باد بہار
حاصل کار جہاں ساز انا
حاصل ساز انا، رقص شرار
داشتم باجان من یک داستاں
دیده ام در روز و شب فصل بہار
یک صدائے آتشیں رقص جنوں
تازه کردی قصۂ صد افتخار
داشتم ساز حسینی در نوا
ساختم کار خلیل روزگار

☆......☆

☆شعبہ فلسفہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

معارف کی ڈاک

مکتوب استھانواں

مکرمی مدیر محترم! السلام علیکم

اگست کے شمارہ میں مولانا اجمل ایوب اصلاحی صاحب کا سید صاحب کے نام پروفیسر براؤن کے مکتوب پر مفصل مضمون شائع ہوا ہے۔

مولانا نے ایک مختصر مکتوب کے تعارف کے ضمن میں قارئین کو بہت ہی اہم معلومات سے مستفید فرمایا ہے لیکن انہوں نے سید صاحب کے مکتوب عربی کی عدم دستیابی کا ذکر کیا ہے جب کہ یہ مکتوب محفوظ ہے۔

یہ مکتوب ماہنامہ البیان عربی (لکھنؤ) ۱۹۲۰ یا ۲۱ء کے کسی شمارہ میں شائع ہوا تھا، اس وقت اس کے مدیر عبدالرزاق ملیح آبادی صاحب تھے اور اب محترمہ سطوت سلطانہ (ہمشیرہ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی) نے اپنی کتاب سید سلیمان ندوی کی عربی زبان وادب کی خدمت میں درج کر کے عام کر دیا ہے۔ لہٰذا یہاں متن درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

طلحہ نعمت ندوی

استھانواں (بہار شریف)

مکتوب عظیم آباد

۱۰/ جون ۲۰۱۹ء

عظیم آباد، پٹنہ

محب گرامی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

معارف میں فواد سیزگین پر بڑا خوبصورت اور اہم مقالہ آرہا تھا جو اس کی کئی قسطوں میں چھپا۔ ڈاکٹر اشتیاق ظلی صاحب جو بڑے معلوماتی اور محققانہ مقالات آئے دن شذرات یا وفیات کے تحت لکھتے رہتے ہیں فواد سیزگین پر ان کا یہ مقالہ مجھے بہت پسند آیا کیوں کہ اس میں فواد سیزگین کی تحقیقی زندگی کے بعض ایسے پہلو بیان کیے گئے ہیں جو مسلم تاریخ کے لحاظ سے بہت اہم ہیں اور مسلمانوں کی علمی و تحقیقی کارناموں کو اجاگر کرتے ہیں۔ یہ کارنامے ایسے ہیں جنہیں مستشرقین یورپ

ہمیشہ چھپانے کی کوشش کرتے رہے ہیں، میں اس کے لیے محب گرامی جناب اشتیاق ظلی صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور یہ درخواست کرتا ہوں کہ اس کو دارالمصنّفین کی طرف سے کتابی صورت میں شائع کرایا جائے، یہ دارالمصنّفین کا ایک اہم علمی و تاریخی کارنامہ سمجھا جائے گا۔ والسلام

محمد عتیق الرحمٰن (پٹنہ)

نوٹ: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کچھ طلبہ نے مولانا ابوسحبان روح القدس کی علمی رہنمائی میں یہ مقالہ کتابی شکل میں شائع کردیا ہے۔

مکتوب چمپارن

مدیر محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۔ معارف کے سارے شمارے شبلی وسید سلیمان ندوی کے اردگرد طواف کرتے نظر آتے ہیں، میں پوچھتا ہوں پورے عالم اسلام میں یہی دو شخصیات اہم، بطل جلیل اور قابل ذکر ہیں، لیکن شاید ؎

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

۲۔ آپ کا رسالہ اسلامی زیادہ ادبی کم ہو، اگر اسی تناظر میں مضامین کو جگہ دی جائے تو یہ مرکز توجہ بنا رہے گا۔

۳۔ آپ کے حسن انتخاب کی داد دیتا ہوں کہ دیگر رسائل کی مانند آزاد شاعری چور دروازے سے داخل نہیں ہوسکی ہے۔

۴۔ رسالہ کے صفحہ کے نمبرات کا آغاز ایک سے نہ کرکے شاید قارئین کو رسالہ کی ضخامت کا احساس دلانا چاہتے ہیں، یہ مرغوب فن نہیں ہے۔

اللہ رب العزت سارے منتظمین ادارہ کو بہ صحت و سلامت عمر خضر عطا فرمائے تاکہ اک جہان علم وآگہی کی علمی تشنگی رفع ہوتی رہے۔

مجھے معذور قلم سمجھا جائے کہ بسیار نویسی کے فن سے الفت کہاں سے آگئی۔ اللھم اعاذنا اللہ منہ

علی الیاس عاجز انصاری

مغربی چمپارن (بہار)

مطبوعات جدیدہ

فقہ السنہ جلد دوم، علامہ السید سابق، مترجم مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، صفحات ۵۸۰، قیمت ۳۸۰، پتہ: نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی ۲۰۳۵، بلی ماران، دہلی ۔۶، اور دہلی، بلریا گنج اور سری نگر کے مکتبے۔

فقہ السنہ کے مولف کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ عالم اسلام کے ممتاز عالم وفقیہ تھے، جامعہ ازہر اور جامعہ ام القریٰ سے تعلق رہا، فقہ السنہ ان کی مشہور ترین کتاب ہے جس میں احکام ومسائل کو بڑی آسانی سے بیان کیا گیا ہے، اس کی افادیت کو دیکھتے ہوئے اس کو اردو میں منتقل کرنے کی کوشش ہوئی، پہلی جلد چھپی اور مقبول ہوئی، اب یہ دوسری جلد ہمارے پیش نظر ہے۔ پہلی جلد میں نماز اور متعلقات نماز کے مسائل تھے، دوسری جلد میں میت، تکفین وتدفین، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے مسائل آ گئے ہیں۔ الحمدللہ اردو میں فقہی مسائل کی کتابوں کی کمی نہیں، فقہ السنہ نے اس ذخیرہ کو اور پر ثروت بنا دیا، بیان وانداز تفہیم اس کی بڑی خوبی ہے لیکن جس طرح اس کو اردو میں سلاست وروانی سے منتقل کیا گیا ہے وہ سب سے بڑی خوبی ہے، شاندار ترجمہ و ترجمانی اور پھر مفید حواشی کا اہتمام، روایات کی تخریج اور مختلف فیہ مسائل میں معتدل رایوں کا اظہار، سب کچھ اس نہج پر ہے کہ پڑھنے والے کو اس سے بحث ہی نہیں رہتی کہ علامہ سابق کا خود کیا مسلک تھا؟ فاضل مترجم کا مختصر مقدمہ بھی بہت کام کا ہے، اختلاف مسالک کو سمجھنے کے بعد مناظرہ اور عصبیتوں سے لبریز مجادلہ و مباحثہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ فاضل مترجم نے ترجمہ کی مشقت کو جس طرح آسان کیا اور کتاب کو نافع تر بنایا اس کے لیے وہ دل سے تبریک وتحسین کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیرت، کمالات اور افادات، از پروفیسر عبدالرحمٰن مومن، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۴۷۰، قیمت ۴۰۰ روپے، پتہ: ایس۔ آر۔ کے پبلشرس، اے۔۴، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی ۲۔

قریب چھیانوے سال کی عمر میں ڈاکٹر حمید اللہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو لگا کہ بیسویں صدی میں علوم اسلامیہ کی ایک عظیم ریاست کا دور حکمرانی پورا ہوا۔ ان کی ساری علمی زندگی کا عنوان ''تحقیق'' ہے، قرآن وحدیث، سیر وفقہ، تاریخ ہر موضوع، ڈاکٹر صاحب کے غیر معمولی ذوق تحقیق کی بدولت اعتبار کے بلند ترین درجہ پر پہنچ گیا، زیر نظر کتاب اسی عبقری صفت انسان کی داستان ہے اور اسی شان کی ہے

جس کے لیے ڈاکٹر صاحب مرحوم، معروف تھے، فاضل مصنف ڈاکٹر عبدالرحمٰن مومن محض ایک سوانح نگار ہی نہیں ڈاکٹر صاحب کے عقیدت مند بلکہ مرید باصفا ہیں، کتاب برسوں پہلے شائع ہوئی تھی، زیرنظر، یہ دوسرا ایڈیشن ہے اور بعض جدید اضافوں کے ساتھ ہے جیسے مصاحف عثمانی کے باب میں مصحف تاشقند اور مصحف توپ قاپی کے متعلق جدید تحقیقات وغیرہ، مصنف کی شناخت بھی محقق کی ہے اس لیے یہ کتاب خالص موضوعاتی بن گئی ہے، سوانح میں ایک عقیدت کیش کا قلم کم ہی متوازن رہتا ہے لیکن قریب ڈھائی سو صفحات میں ڈاکٹر صاحب کی سیرت و شخصیت اور اوصاف و کمالات کے بیان میں حدود سے تجاوز کہیں نہیں، اصل محنت تو ڈاکٹر صاحب کی علمی دنیا کی سیر میں کی گئی ہے، ان کی تمام کتابوں، مقالوں، چھوٹی بڑی تحریروں کا ذکر آ گیا ہے، ذاتی تعلقات کی جھلک کے لیے ایک کہکشاں بھی سجائی گئی ہے، کچھ ضمیمے، نقشے اور تصویریں ہیں اور یہ سب حد درجہ قیمتی بلکہ نایاب سے ہیں، دارالمصنّفین میں اسلام اور مستشرقین سیمینار کے لیے ڈاکٹر صاحب کو خصوصی دعوت دی گئی، جواب میں انہوں نے کہا کہ "افسوس ہے کہ "سابق" جنت نشان کو نہیں جا سکتا اور ویسے بھی میں اسے فضول سمجھتا ہوں کہ مستشرقین پر اعتراض کیا جائے، انہوں نے ہمارے علم کی اس وقت قدر کی اور کتابیں چھاپیں جب ہم غافل تھے"۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ شکوہ کتنا بجا ہے وہ اسلام اور مستشرقین سیمینار میں علماء و محققین کے تاثرات میں دیکھا جانا چاہیے، جہاں عام طور سے مستشرقین کی محنت و تحقیق کی داد دی گئی، اثریات قرآنی پر ان کی تحقیقات بہت دلچسپ ہیں، مصنف کا خیال ہے کہ اس موضوع پر وہی قلم اٹھا سکتے تھے، اجماع کی بحث میں ڈاکٹر صاحب کو افسوس رہا کہ اس کی جانب چودہ سو سال سے کوئی توجہ نہیں دی گئی، انہوں نے اس کے لیے بعض تجویزیں بھی رکھی تھیں، ایک باب ان کے تفردات کا بھی ہے، مثلاً وہ جشن میلاد النبیؐ کے متعلق لکھتے ہیں کہ جشن میلاد منانے پر اللہ نہ صرف مومنوں بلکہ کافروں پر بھی کچھ نہ کچھ نوازش فرماتا ہے، دلیل میں انہوں نے ابولہب کا ذکر کیا کہ اس نے حضورؐ کی ولادت کی خبر سن کر انگلی کے اشارے سے اپنی باندی کو آزاد کر دیا تو اب دوزخ میں ہر ہفتہ پیر کے دن ابولہب کی اس انگلی سے ٹھنڈا اور میٹھا پانی نکلنے لگتا ہے جسے وہ چوس کر متمتع ہوا کرتا ہے"، غرض یہ کتاب ڈاکٹر حمید اللہ اور مولف دونوں کو اصل رنگ میں پیش کرنے میں کامیاب ہے۔

بیان کی تلاش، جناب محمود شیخ، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۲۰۲، قیمت ۱۲۹ روپے، پتہ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔

جدیدیت، مابعد جدیدیت، پس نو آبادیاتی ادب، مابعد اخلاقیات، سائنسی شعور و ادب، جذباتی سائنس جیسے موضوعات پر لکھنے اور لکھانے پر گزشتہ نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ ہوا، کچھ خاص فرق جدیدہ ہی مامور تھے، ان کا جو اثر ادب اردو پر ہوا وہ اب سب کے سامنے ہے لیکن ادب کو اسلام اور اخلاق کی روشنی میں دیکھنے والوں نے اس کو شاید اہمیت کے لائق ہی نہیں سمجھا کہ قبول نہ سہی، رد کی نیت ہی سے ان کا بغور مطالعہ و محاکمہ کیا جاتا، ایسے میں اس کتاب کے مصنف کی تحریریں ہمیشہ اپنی جانب توجہ مبذول کرانے میں کامیاب رہیں کہ ان کی زمین اور ان کی طرحیں سب جدیدیت کے رنگ میں مگر مضمون انہوں نے وہی باندھے جو قدیم ہونے کے باوجود ہمیشہ نئے اور تازہ ہی رہنے کی شان رکھتے ہیں، مصنف نے شروع ہی میں صاف کہہ دیا کہ سائنسی اور فلسفیانہ نظریات، ادب و فن کے معاون تو ہو سکتے ہیں مگر رہنما کبھی نہیں ہو سکتے اور یہ بھی کہ مغربی ادبیات میں تھیوریز وضع کرنا ایک فیشن ہے جن کی کوئی اخلاقی حیثیت نہیں ہوتی اس لیے ان کا اطلاق، ادبی، فنی اور سماجی معاملات پر نہیں کیا جاسکتا، پہلا مضمون ''اللہ کی شان، زبان اور بیان'' کے عنوان سے ہے، اس کی ابتدا ہی اس یقین کے ساتھ ہے کہ تہذیب انسانی سے اگر خدا کا یقین خارج کر دیا جائے تو دنیا میں میکانکی شعور و عمل کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا۔ یہ کہنا بھی اچھا لگا کہ لفظوں کی شناخت اور تفہیم کا معنیاتی ڈکشن جذباتی مگر اخلاقی نظم عمل سے وابستہ ہے، زبان میں شامل ہونے سے قبل الفاظ کو اپنی اخلاقی اجتماعیت ثابت کرنا ضروری ہے اور یہ تو بالکل سچ ہے کہ موجودہ ادب و شعر اور فلسفہ نقد، اقدار حیات کی آفاقی سمجھ سے محروم ہے۔ مابعد جدیدیت کے متعلق آسان الفاظ میں بتایا گیا کہ یہ ایسا مفروضہ ہے جس کی کوئی فکری اور نظریاتی بنیاد نہیں ہے، نظام جمہوریت کا پیدا کردہ اختلاف و انتشار ہی اس کی قوت تخلیق ہے جس سے مباحثہ کی راہ ہموار کی جاتی ہے مگر کوئی حتمی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ ایک مضمون بیان کی تلاش ہے اور یہی کتاب کا عنوان بھی ہے۔ اس میں یہ جملے قابل غور ہیں کہ لفظوں کی صداقت چونکہ فطری اور جذباتی آواز کی ترجمان ہے لہٰذا فن موسیقی کے روایتی طرز بیان پر پرشور اور بے اصول غیر انسانی آوازوں کو مسلط کر دیا گیا، لایعنی اور غیر فصیح آوازیں لفظ و بیان سے اپنی تفہیمی صراحت کا مطالبہ کرتی ہیں۔ کتاب میں کئی مضامین تانیثیت کے تعلق سے بھی ہیں، آج ادب و سیاست میں تانیثیت کا شور کچھ زیادہ ہی ہے، مقصد تو معصوم سا تھا کہ مرد کی حاکمیت و محکومیت سے عورت کو آزادی دلانا، مگر یہ

مقصد قانون قدرت کی آفاقی تقسیم و تجسیم اور قوت و عمل سے ناواقف ہے، حقیقت یہی ہے کہ تانیثیت جمہوری سیاسی نظام کی اخلاقی کمزوری سے پیدا شدہ ایک سیاسی نظریہ ہے، یہ نظام حیات نہیں۔ ادب اور صالح اور پاکیزہ ادب کی دنیا میں ایسی کتابوں کو کھلے دل سے خوش آمدید کہنا چاہیے۔

شعرائے مہاراشٹر (بمبئی اور مضافات)، جلد اول و دوم، از جناب خلیق الزماں نصرت، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات بالترتیب ۴۰۰، ۹۴۲۔ قیمت مجموعی ۶۰۰ روپے، پتہ: رضوی کتاب گھر۔ ۴۲۳، مٹیا محل، دہلی ۶ اور بھیونڈی، علی گڑھ اور ممبئی کے مکتبے۔

مہاراشٹر کی سرکاری زبان مرہٹی ہے، دوسرے اور صوبوں کی مختلف زبانیں بھی سرکاری ہیں، اردو ان سب سے الگ ہے، اس لیے سرکاری نہیں لیکن حیرت انگیز طور پر وہ اب بھی سروکاری زبان بہر حال ہے، شاید اسی لیے اس کتاب کے زندہ دل مولف و مصنف و محقق نے مرہٹی کا اعتراف کرتے ہوئے یہ کلمہ حق بھی ادا کر دیا کہ اردو وہ واحد زبان ہے جو سب پر چھائی رہی۔ اسی احساس نے ان کو آمادہ کیا کہ دلوں پر چھائی رہنے والی زبان کے سب سے موثر ذریعہ یعنی شاعری سے اپنی بات کو مستند بنایا جائے، اس کے لیے انہوں نے ممبئی اور آس پاس کی اردو بستیوں میں اردو کے رنگ کو چننا اور اس کی خوشبو کو سمیٹنا شروع کیا، مہاراشٹر کی نسبت سے شاید اس نیت کا اظہار ہے کہ اردو شاعری کے وہ سارے جلوے بھی ان کی نگاہ میں ہیں جو عروس البلاد ممبئی سے دور ہیں لیکن نگاہوں سے مستور نہیں، سر دست انہوں نے ممبئی اور مضافات پر اکتفا کیا اور دو سو سے زیادہ شعرا کا تذکرہ اور منتخب کلام کو پر لطف تبصروں کی ڈوری میں باندھ کر پیش کر دیا، جناب خلیق الزماں نصرت کی یہ محنت واقعی لائق داد ہے، وہ زندہ دل ہیں، مقدمہ کی زبان و لہجہ اس کا شاہد ہے، ان کا کہنا صحیح ہے کہ یہ تذکرہ ریزہ ریزہ کر کے جمع کیا گیا ہے، اس میں بعد زمانی و مکانی کی تلاش فضول ہے، اشعار کا انتخاب تو حسن ذوق کا آئینہ دار ہے ہی، شعرا کے حالات کو جس جامعیت سے پیش کیا گیا ہے، اس کا اندازہ پڑھنے ہی سے ہوگا، کہاں کہاں کے لوگ تلاش معاش بلکہ غم روزگار کے مارے، بے گھر، خانماں برباد، ہجرت کے کرب کو سہتے ہوئے جس طرح اردو کے گیت گاتے رہے، اس کی ایک بڑی مؤثر تصویر سامنے آجاتی ہے۔ کتاب میں انتساب بھی فاضل مرتب کی روح سے آشنا کرتا ہے۔ یہ ان کے نام ہے جنہوں نے شمالی ہند سے نکالی جانے والی خانماں برباد اردو کو اپنے گھروں میں زندہ اور اداروں میں ذریعہ تعلیم بنا رکھا ہے۔

(ع۔ص)

رسید کتب موصولہ

اردو کے ابتدائی ناولوں میں تہذیبی کشمکش کی عکاسی: ڈاکٹر محمد مشفق، الہدیٰ پبلی کیشنز، قاضی واڑہ، دریا گنج، نئی دہلی۔ قیمت: ۳۰۰؍روپے

تذکرہ سید الملتؒ: مرتب مولانا ضیاء الحق خیرآبادی، الجمعیۃ بک ڈپو، گلی قاسم جان، دہلی۔ قیمت: ۱۰۰۰؍روپے

جدید عربی زبان و بیان کے مشاہیر: پروفیسر محمد راشد ندوی، مرتبہ ڈاکٹر ابوذر متین، دارالکتاب دودھ پور، علی گڑھ۔ قیمت: ۳۰۰؍روپے

خسرویات: مرتب ڈاکٹر شارد جمال انصاری، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، علی گڑھ۔ قیمت: ۵۰۰؍روپے

خیام شناسی: مرتبہ اخلاق احمد آہن، مکتبہ جامعہ، اردو بازار، دہلی۔ قیمت: ۳۰۰؍روپے

شعر زمین: (انتخاب کلام)، پروفیسر خالد محمود، ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ۔ قیمت: ۳۰۰؍روپے

عرفان تصوف: درویش احمد ثروت قادری، مرتب سید اسلم میاں، اسلامک ونڈرس بیورو، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی۔ قیمت: ۱۸۰؍روپے

عہد نبویﷺ میں خواتین کا دعوتی کردار: ڈاکٹر سلیمان بن حمد العودۃ مترجم ڈاکٹر محمود حافظ عبدالرب مرزا، شعبۂ عربی و فارسی، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد۔ قیمت: ۲۰۰؍روپے

مطالعہ تصنیفات علامہ شبلی نعمانیؒ: مرتبین محمد سرفراز عالم و محمد موسیٰ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ قیمت درج نہیں۔

مکتوبات شاہ محب اللہ الہ آبادی: تصحیح و مقدمہ پروفیسر اخلاق احمد آہن، بک امپوریم سبزی باغ، پٹنہ۔ قیمت: ۴۰۰؍روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول ودوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ	
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-
علامہ شبلی وسید سلیمان ندوی	
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	300/-
الغزالی	200/-
المامون	175/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	220/-
شعر العجم اول	300/-
شعر العجم دوم	150/-
شعر العجم سوم	125/-
شعر العجم چہارم	200/-
شعر العجم پنجم	150/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	
الکلام	250/-
علم الکلام	200/-

کتاب		قیمت
موازنہ انیس ودبیر		250/-
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر		100/-
سفرنامہ روم ومصر وشام		200/-
کلیات شبلی (اردو)		220/-
کلیات شبلی (فارسی)		45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی)		170/-
مرتبہ: سید سلیمان ندوی		
مقالات شبلی دوم (ادبی)	〃	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی)	〃	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی)	〃	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی)	〃	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی)	〃	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ)	〃	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی واخباری)	〃	110/-
خطبات شبلی	مرتبہ: عبد السلام ندوی	80/-
انتخابات شبلی	مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول	〃	150/-
مکاتیب شبلی دوم	〃	190/-
اسلام اور مستشرقین چہارم (علامہ شبلی کے مقالات)		250/-

ISSN 0974 - 7346 Ma'arif (Urdu) -Print
September 2019 Vol - 204 (3)
RNI. 13667/57 **MA'ARIF** AZM/NP-43/019
Monthly Journal of
Darul Musannefin Shibli Academy
P.O.Box No: 19, Shibli Road, Azamgarh, 276001 U.P. (India)

مطبوعات شبلی صدی

۱۔	سیرۃ النبیؐ جلد اول ودوم (یادگار ایڈیشن)	علامہ شبلی نعمانی	2000/-
۲۔	شبلی کی آپ بیتی	ڈاکٹر خالد ندیم	325/-
۳۔	دار المصنّفین کے سو سال	کلیم صفات اصلاحی	350/-
۴۔	شذرات شبلی (الندوہ کے شذرات)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-
۵۔	محمد شبلی لائف اینڈ کنٹری بیوشنس	ڈاکٹر جاوید علی خاں	230/-
۶۔	حیات شبلی	علامہ سید سلیمان ندوی	650/-
۷۔	مولانا الطاف حسین حالی کی یاد میں	اشتیاق احمد ظلی	250/-
۸۔	حیات سعدی	تصنیف: خواجہ الطاف حسین حالی	400/-
۹۔	شبلی شناسی کے اولین نقوش	مرتبہ: ظفر احمد صدیقی	600/-
۱۰۔	شبلی ایک دبستان	آفتاب احمد صدیقی	250/-
۱۱۔	متاع رفتگاں	شاہ معین الدین احمد ندوی	200/-
۱۲۔	یہود اور قرآن مجید	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	150/-
۱۳۔	رسائل شبلی	علامہ شبلی نعمانی	300/-
۱۴۔	اردو ترجمہ مکاتیب شبلی	ڈاکٹر خالد ندیم	110/-
۱۵۔	تاریخ بدء الاسلام (علامہ شبلی نعمانی)	مرتبہ: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	300/-
۱۶۔	مراسلات شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	150/-
۱۷۔	مطالعات شبلی	مرتبہ: اشتیاق احمد ظلی	550/-
۱۸۔	الفاروق (ہندی)	علامہ شبلی نعمانی	450/-
۱۹۔	الندوہ (جلد ۱۔۹)		4735/-